www.urducouncil.nic.in

قیمت: -/10₹

آدھی آبادی کے جذبات و احساسات کا ترجمان

ماہنامہ

خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

دسمبر 2017

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

سوچھ بھارت — ایک قدم صفائی کی جانب

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of Human Resource Development,

Department of Higher Education, Government of India

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025

Ph.: 011-49539000, Fax: 011-49539099, Website: www.urducouncil.nic.in

ایوارڈ اسکیم

یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ کونسل نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں خدمات کے اعتراف کی غرض سے 2017 سے سالانہ ایوارڈ اسکیم کے آغاز کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے تحت ایسے ادیبوں وصحافیوں کو ایوارڈ سے سرفراز کیا جائے گا جنھوں نے شعر وادب اور اردو صحافت کے شعبوں میں اہم کارنامے انجام دیے ہیں اور جو بھارت کے سیکولر نظریات اور مشترکہ تہذیب وثقافت کو مضبوط بنانے کے لیے مسلسل سرگرم رہے ہیں۔ یہ ایوارڈ مندرجہ ذیل زمروں کے تحت تفویض کیے جائیں گے۔

1۔ امیر خسرو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ (ایک)
(انعام کی رقم پانچ لاکھ، توصیفی سند، شال اور مومنٹو)

2۔ پنڈت دیا شنکر نسیم ایوارڈ برائے شاعری (ایک)
(انعام کی رقم ایک لاکھ روپے، توصیفی سند، شال اور مومنٹو)

3۔ پریم چند ایوارڈ برائے فکشن (ایک)
(انعام کی رقم ایک لاکھ روپے، توصیفی سند، شال اور مومنٹو)

4۔ آغا حشر کاشمیری ایوارڈ برائے ڈرامہ نگاری (ایک)
(انعام کی رقم ایک لاکھ روپے، توصیفی سند، شال اور مومنٹو)

5۔ رام بابو سکسینہ ایوارڈ برائے تاریخ ادب اردو/اردو میں ترجمہ (ایک)
(انعام کی رقم ایک لاکھ روپے، توصیفی سند، شال اور مومنٹو)

6۔ پنڈت نول کشور ایوارڈ برائے ذرائع ابلاغ (پرنٹ و الکٹرانک) (ایک)
(انعام کی رقم ایک لاکھ روپے، توصیفی سند، شال اور مومنٹو)

مندرجہ بالا ایوارڈ میں سے 2 تا 6 زمرے کے دو انعامات ان مصنفین کو دیے جائیں گے جن کی اردو خدمات نمایاں ہیں مگر مادری زبان اردو نہیں ہے۔

ایوارڈ کے لیے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی ان ناموں اور سفارشات پر غور کرے گی جو ہندوستان بھر کی اردو اکیڈمیوں، اردو کے معتبر اداروں، انجمنوں، تنظیموں اور جامعات کے اردو شعبوں کے ذریعہ موصول ہوں گی۔ انفرادی طور پر بھی ادبا، شعرا، ڈرامہ نگار، پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا سے وابستہ حضرات اپنا تفصیلی پروفائل (زندگی نامہ) 31 دسمبر 2017 تک ارسال کرسکتے ہیں۔ مزید تفصیلات اور فارم کے لیے ہماری ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in سے رجوع کریں۔

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

اردو آبادی کے جذبات و احساسات کا ترجمان
ماہنامہ
خواتین دنیا
Mahnama Khawateen Duniya Monthly, New Delhi

قیمت -/10 روپے، سالانہ -/100 روپے
جلد: 1 شمارہ: 3 دسمبر 2017
صفحات: Total Pages 64
● ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں
نگارشات ارسال کرنے کے لیے ای میل: kduniya@ncpul.in

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)
نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی
مشیر: شعیب رضا فاطمی

فہرست

اداریہ
مکالمہ — مدیر — 4
شخصیت: مریم مرزا خانی — صبیحہ نسرین — 5

نکہت سخن
شاعرات کے منتخب اشعار — 9

پرواز کے نئے آسمان
نیلوفر رحمانی — سعدیہ اقبال — 10

جہان نسواں
خواتین افسانہ نگاروں......شہناز نبی — 14
قمر جمالی کا ناول......جابر حمزہ — 16
تیموری شہزادیوں......عبدالعزیز عرفان — 21

قانون میں خواتین
خواتین کے خلاف خانگی تشدد .... خواجہ عبدالمنتقم — 26

کہانیاں
ہر قرن میں ہوں...... — مس حجاب اسماعیل — 30
شہزادو — رضیہ فصیح احمد — 33
جو کوئے یار سے نکلے — رخشندہ روحی — 37
شال — پروین طلحہ، مترجم صبیحہ انور — 42
قدرت کا فیصلہ — نشاں زیدی — 46

حسن سخن
بینا نقوی 49، رونق دہلوی 50، سید مطیع اللہ راشد 51

باورچی خانہ
لذیذ پکوان — 52

صحت
خواتین کے لیے ورزش کی اہمیت — سید محمد حسان نگرامی — 54

آرائش و زیبائش
حسن کی نگہداشت — 56
تاثرات — 58
خواتین خبرنامہ — 60

قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل (NCPUL) اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

مقام اشاعت و صدر دفتر: فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025 فون: 49539000
مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی-110066 فون: 26109746 فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com
شاخ: 110-7-22، قمر اقبال، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

مکالمہ

ہمارے معاشرے میں عدل وانصاف کا ہر دور میں نمایاں مقام رہا ہے۔ خاص طور پر ہماری ادبی قدروں میں عدل وانصاف کو مثالی حیثیت حاصل ہے۔ عام معاشرے میں بھلے ہی شر، خیر پر حاوی نظر آئے، ظالموں کے طاغوتی ہتھکنڈے، معاشی وسیاسی صورتحال کو اپنی گرفت میں لے لیں لیکن ادب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ادب کا سماج ہر دور میں انسانیت، فلاح، دوستی، امن اور باہمی یکجہتی کو ہی فکری معراج پر متمکن رکھتا ہے۔ ادب کی یہی خوبی ہے جس کی وجہ سے ماضی کی ادبی تاریخ کے ایوان قدم قدم پر ہمیں دعوت خیر دیتے ہیں اور ہم ادبی اکابرین کے اقوال واشعار کو اپناز اور راہ بنا کر سنگلاخ راہوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔ ’خواتین دنیا‘ کے اجرا کا مقصد بھی عدل وانصاف کی بالادستی کا قیام ہی ہے۔ ایک طویل عرصے سے ادبی میدان میں خواتین کی باوقار آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، ایسا لگتا ہے جدید صارفیت زدہ معاشرے کی بھول بھلیوں میں وہ کہیں کھوگئی ہے یا پھر ادب کی قوت پر سے ان کا اعتقاد گھٹنے لگا ہے۔ پیچیدہ اور وقت طلب ذمہ داریوں نے بھی ان کے حصے میں آنے والے وقت کو غصب کرلیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادب میں جس گہرائی و گیرائی نیز تجربے کے لامتناہی اثاثے کی ضرورت ہوتی ہے اس کا منبع خواتین کے پاس فطری طور پر موجود ہوتا ہے اور اسی لیے انھیں اس بدلتے دور میں اپنے مشاہدے کو بروئے کار لا کر تخلیقی سرمائے کو وقیع کرنا چاہیے۔ ہمیں اس امر کا شدت سے احساس ہے کہ موجودہ دور جس برق رفتاری سے اپنے لباس تبدیل کرتا جا رہا ہے، جس شدت سے عالمی پیمانے پر کلاسیکی اقدار کو رد کیا جا رہا ہے، جس بہیمانہ طریقہ سے جذبات واحساس سے مملو ادب کو محض تفریح کا سامان بنا دیا گیا ہے اور جس عیاری کے ساتھ مملکتِ نسواں کے باوقار محل پر شب خون مارا گیا ہے اس سے ایوانِ ادب اور خاص طور پر اردو ادب جو عالمی ادب میں گوہر یگانہ تھا، کی دیواریں درکنے لگی ہیں اور جس مشقت وصعوبت کو برداشت کرکے خواتین قلمکاروں نے خواتین ادیبوں کی ایک نہایت مضبوط و مستحکم نیز حوصلہ مند فوج کھڑی کی تھی وہ در بدر ہوتی نظر آ رہی ہے اور مملکتِ ادب میں انھیں ایک بار پھر بڑے ’چیلینجز‘ کا سامنا ہے۔ موجودہ دور میں ساری دنیا مادہ پرستی میں مسحور ہوکر جذِ انسانیت کے سارے جذبات واحساسات کو بازاروں میں نیلامی پر چڑھا رہی ہے اور اسے ’بولڈنیس‘ کا نام دے رہی ہے۔ یہ معاشی عیاری جس میں خواتین کے نازک احساسات وجذبات کو بازاروں کی رونق بنا دیا گیا ہے، گھروں کی پرسکون فضا جس میں صالح ادبی شہپاروں کے بیج اگا کرتے تھے، بنجر ہوتے جا رہے ہیں، ان کا رشتہ زبان وادب سے کٹ گیا ہے اور زندگی کے ہر شعبے پر فیشن پرستی ونمائش نے اپنی مضبوط گرفت قائم کرلی ہے اور ہمیں اس تہذیبی بحران کا اندازہ ہی نہیں ہے کہ مملکتِ نسواں کے اس محل پر جن طاغوتی قوتوں نے اپنا قبضہ جما لیا ہے اب وہ وہاں سے نہ پریم چند کو نکلنے دیں گی نہ عصمت چغتائی کو۔ اب نہ تو ان گھروں میں قرۃ العین حیدر کی پرداخت ہوگی اور نہ ہی مہاشویتا دیوی کی پرورش۔ ہمیں اس ماحول کے گھٹاٹوپ اور حوصلہ شکن ماحول سے نکلنا ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ بے حد کم عرصے میں ’خواتین دنیا‘ نے ملک و بیرونِ ملک کے ادبی حلقوں میں اپنی شناخت قائم کرلی ہے لیکن ابھی اسے طویل سفر طے کرنا ہے اور اس کے لیے سب سے زیادہ خواتین کی توجہ درکار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ رسالہ ہندوستان کے حلقۂ نسواں کا سب سے باوقار، بے باک معیاری اور معلوماتی رسالہ بن جائے۔ ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں سے خواتین قلمکار کی تخلیقی ضوفشانی چاردانگ عالم کو منور کردے۔

سات سمندر پار اترے تو سات سمندر آگے پائے
من مانجھی ! پتوار اٹھا چل پھر طوفان سے لڑنا ہوگا

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

صبیحہ نسرین

مریم مرزاخانی

"ہزاروں خواتین کے لیے حوصلہ مندی کی مثال بن کر ہمیشہ زندہ رہیں گی"
(مارک ٹیرے وگن)

مریم مرزاخانی ایسی عظیم خاتون کا نام ہے جس نے اپنی زندگی کے صرف چالیس سال میں وہ کارنامہ انجام دیا جس کی بازگشت کئی صدیوں تک سنائی دے گی۔ اس خاتون کی زندگی اس کے افکار و نظریات اور سائنسی انکشافات، دورِ جدید اور مستقبل میں طالبات اور خواتین کے لئے ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ آپ کی اعلیٰ درجہ کی ذہانت و فطانت، علمی جستجو، بے پناہ محنت اور لگن کے ساتھ بلند اخلاق، بلند کردار اور ان کی تواضع اور جذبۂ انسانیت نے ہر شخص کو متاثر کیا خواہ وہ افرادِ خانہ ہوں یا احباب و رفقاء کار، یا اربابِ سیاست ہوں یا مفکرین یا سائنسداں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ریاضیات کی اس عبقری شخصیت نے جولائی 2017 میں دارِ فانی سے کوچ کیا تو ایران کے صدر اور اہلِ علم و قلم کے ساتھ ساتھ امریکہ کے ایوانِ سیاست نے ان کی موت پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور انہیں خراجِ عقیدت بھی پیش کیا۔

مریم مرزاخانی دنیا کی پہلی خاتون تھیں جن کو ریاضیات کا "نوبل پرائز" کہا جانے والا انعام "فیلڈ میڈل" نوازا گیا۔ ابھی نہیں ان کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالہ کو علمِ ریاضیات کے نظریاتی شاخ ہائپر بولیک جیومیٹری (Hyperbolic Geometry) کے حوالے سے ایک اہم ریسرچ اور شاہکار قرار دیا گیا۔ صرف 31 سال کی عمر میں ریاضیات کی پروفیسر بنیں اور ریاضیات کے مختلف نظریاتی مسائل اور کلیہ (Theorem) پر متعدد مقالے تحریر کئے۔ پروفیسر الیکس اسکین (Alex Eskin) کے ساتھ مل کر مریم نے مشہورِ زمانہ مقالہ لکھا جو جادوئی کشش والے تھیورم (Magic Wind Theorem) کے نام سے مشہور ہوا۔ کئی برسوں کی انتھک محنت کے بعد 2013 میں شائع ہونے والا دو سو صفحات پر مشتمل یہ مقالہ در حقیقت ریاضیات کے کئی اہم مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس مقالہ کو ریاضیات میں نئے دور کا آغاز اور عظیم ترین کارنامہ قرار دیا گیا۔

مریم کی قابلیت، شہرت اور انسانی خدمت کے پیچھے دلچسپ اور فکر انگیز داستان ہے جس میں حوصلہ مندی، دلسوزی کے ساتھ مقصد، لگن اور اخلاص کی جیتی جاگتی عکاسی ملتی ہے۔ ایران میں پیدا ہونے والی یہ معمولی سی لڑکی جسے چھٹی جماعت کے ایک استاد نے کہا تھا کہ تم ریاضی (Mathematics) پڑھنا چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہارے بس کا نہیں ہے۔ کون سوچ سکتا تھا اور کسے معلوم تھا کہ یہی معمولی سی لڑکی ایک دن دنیا کی پہلی خاتون ہوگی جو "فیلڈ میڈل" حاصل کرے گی۔

مریم مرزاخانی کی ولادت 3 مئی 1977 کو ایران کے شہر تہران میں ہوئی۔ ان کے والد احمد مرزاخانی الکٹرانکس انجینئر تھے۔ مریم نے ابتدائی تعلیم تہران میں ہی حاصل کی۔ سرجین اسکول سے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کی۔ ریاضی سے بی۔ ایس سی کی ڈگری 1999 میں شریف یونیورسٹی (Sharif University) سے حاصل کی۔

پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے وہ امریکہ چلی گئیں اور ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) سے Curtis T.Mcmullen کی نگرانی میں 2004 میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور 2008 سے تا حیات وہ (Stanford University) میں ریاضی کے پروفیسر کے عہدہ پر فائز تھیں۔

بچپن سے ہی مریم کا خواب تھا کہ وہ ایک ادیب بنے اس لئے انہیں ناول پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ان کے والد کی خواہش تھی کہ ان کے

تینوں بچے اپنی پسند کے موضوع کا انتخاب کریں اور اس کے ماہر بنیں۔ لیکن ریاضی اور سائنس میں دلچسپی اور شغف کے پیچھے ان کے بڑے بھائی کا نہایت ہی اہم کردار ہے۔ جب مریم پرائمری اسکول کی تعلیم مکمل کر رہی تھیں۔ ایران اور عراق کی جنگ ختم ہو چکی تھی، امن وسکون کی فضا چھا رہی تھی اور ملک میں تعلیم کی جانب خصوصی توجہ دی جا رہی تھی۔ اس پر امن اور حوصلہ مندی کے ماحول نے مریم کی تعلیم و تربیت پر نہایت ہی مثبت اور دیرپا اثرات چھوڑے۔

مریم کی تعلیم میں جہاں ملک میں پر امن ماحول، اہل خانہ کی محبت اور حوصلہ افزائی کا رول ہے وہیں دوستی اور بے لوث محبت واخلاص کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ مریم کی بے مثال دوستی جو رویا بہشتی کے ساتھ ہائی اسکول کے پہلے ہفتے میں ہوئی وہ ان کی وفات تک قائم رہی۔ اس طرح وہ جن لوگوں سے بھی اپنی مختصر زندگی میں ملی وہ ان کے اخلاق و کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

مریم مرزاخانی کو 13 اگست 2014 کو "فیلڈز میڈل" سے نوازا گیا۔ یہ انعام ریاضیات میں اعلیٰ کارکردگی کے حامل افراد کو دیا جانے والا بین الاقوامی اعزاز ہے جو ہر چار سال کے وقفہ سے 40 سال سے کم عمر کے لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ مریم مرزاخانی دنیا کی پہلی ایرانی خاتون تھیں جنھیں "فیلڈز میڈل" جیسا بین الاقوامی اعزاز دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایوارڈ اور اعزاز ملے ان میں کچھ کے نام درج ذیل ہیں:۔

- ☆ اکیڈمی آف آرٹس اینڈ سائنس میں رکنیت حاصل کیں 2016
- ☆ فرنچ اکاڈمی آف سائنس میں نائب صدر کے طور پر منتخب کیا گیا 2015
- ☆ کلے ریسرچ ایوارڈ 2014 Clay Research Award
- ☆ فیلڈز میڈل ایوارڈ 2014 Fields Medal Award
- ☆ سٹر پرائز 2013 Satter Prize
- ☆ اے ایم ایس بلومینتھل ایوارڈ (AMS) 2009 Blumenthal Award
- ☆ ہارورڈ جونیئر فیلوشپ ہارورڈ یونیورسٹی 2003
- ☆ بین الاقوامی ریاضیاتی اولمپیاڈ میں گولڈ میڈل حاصل کیا 1994 ہانگ کانگ Hong Kong

مریم مرزاخانی کے فکر و تحقیق کا میدان نظریاتی ریاضیات کے ایسے مسائل، معمے اور نظریے ہیں جو عام لوگوں کے لئے معمے ہی لگتے ہیں اور جن کو سمجھنا نہایت ہی مشکل ہے لیکن ان کی اہمیت اور اس کے اثرات، علمی وعملی استعمال اور فوائد کا میدان بہت ہی وسیع اور دیرپا ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کے ماہرین کے مطابق فزکس، روبوٹ ٹکنالوجی، قوانٹم کمپیوٹنگ (Quantum Computing)، گرافکس (Graphics)، کرپٹولوجی (Cryptology) اور بنیادی اشیا سے متعلق سائنس (Material science) جیسے متعدد شعبوں میں مریم مرزا کے افکار اور نظریے کام آسکتے ہیں۔ اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ مریم مرزاخانی نے ریاضی کے جس موضوع کو اپنی فکر و تخیل کا نشانہ

بنایا وہ حقیقت میں ہماری زندگی اور کائنات کی بہت ہی بنیادی اور بظاہر معمولی چیز سے تعلق رکھتا ہے۔ جیومیٹری میں جسے سطح (Surface) کے نام سے جانا جاتا ہے ہماری کرسی اور چائے کی پیالی سے لے کر ہمارے موبائل اور کمپیوٹر کے چپ (Chip) اور زمین پر موجود سمندر اور پہاڑ بھی کسی نہ کسی طرح اسی جیومیٹری کے تابع ہیں اور مریم مرزاخانی کی ریاضیاتی تخیل کے زد میں ہیں۔ ریاضیات کی ایک شاخ ہائپربولک جیومیٹری (Hyperbolic Geometry) ہے۔ جس میں عام اقلیدی سطح کے برخلاف، تجریدی سطح کے زاویے، طول اور رقبہ کا تعین کیا جاتا ہے۔ مریم مرزاخانی نے اس موضوع سے متعلق ایسے تھیورم اور فارمولے کا انکشاف کیا جس کی مدد سے اس نوع کی سطح کا تعین کرنا آسان ہوگیا۔ یہ کارنامہ اپنے آپ میں مریم کو زندہ جاوید کرنے کے لئے کافی تھا مگر اس سے بھی بڑھ کر دوسرے ریاضی داں کے ساتھ مل کر مریم نے حرکیاتی نظام (Dynamic Systems) کے موضوع سے متعلق ایک مقالہ تحریر کیا جسے (Magic) Wind Theorem جادوئی کشش تھیورم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس طرح خیالی جادوئی چھڑی ہر مسئلہ کو چٹکی میں حل کر دیتی ہے۔ اس ''تھیورم'' کی بھی یہی خاصیت ہے کہ فزکس اور ریاضی کے کئی مسئلوں کا حل اس سے نکلتا نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر بلیئرڈ (Billard) کے گیند کا مسئلہ، ہوا درخت معمہ (Wind Tree Puzzle) اور روشنی کرنے کا (Illumination)۔ ان ریاضی اور فزکس کے معمے اور مسئلے میں سب سے مشہور اور قدیم مسئلہ اول الذکر بلیئرڈ والا ہے۔ مشہور سائنسی جریدہ ''نیچر'' (Nature) کے مطابق:۔

''مریم مرزا نے بلیئرڈ گیند کے حرکیات کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ گیند ایک کثیر الاضلاع (Polygon) شکل کے ٹیبل پر متحرک ہے۔ یہ خط مستقیم میں جا رہا ہے جب تک یہ کثیر الاضلاع کے کنارے سے ٹکرا نہیں جاتا، پھر اسی زاویہ سے دوبارہ اچھل کے واپس آجاتا ہے جس زاویہ سے ٹکرایا تھا۔ ایک ریاضی داں اس سسٹم کے متعلق کئی سوالات کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کیا یہ گیند کے لئے ممکن ہے کہ وہ کثیر الاضلاع میں اس طرح متحرک کرے کہ وہ راستہ جو اس نے ابھی اختیار کیا ہے دوبارہ اسی راستہ پر متحرک ہو، اور اگر ایسا ہے تو اس طرح کے کتنے طریقے ممکن ہیں اور وہ کیسے نظر آتے ہیں۔ یہ مسئلہ ابھی تک ناقابل حل ہے۔ بعض اوقات یہ کرنا مفید ہوگا کہ بلیئرڈ ٹیبل کی جگہ کو ایک بڑی جگہ میں ملا دیا جائے جہاں ہر نقطہ ایک سطح ہو جو مقامی طور پر یا تو سطح ہو یا مخروطی شکل کا ہو۔

مریم مرزاخانی نے ایلکس اسکین کے ساتھ مل کر اسی طریق کار کا استعمال کر کے متناسب جیومیٹرک اشیاء کے ایک گروپ کے متعلق تھیورم کو ثابت کر دیا۔ جسے ایک دوسری خاتون ریاضی داں مارینا راتنر (Marina Ratner) نے پیش کیا تھا۔ اس تھیورم
کا (proof) مریم مرزا اور ایلکس نے دو سو صفحات پر مشتمل اپنے شاہکار مقالے میں پیش کیا ہے۔ ریاضیات کے مختلف شعبوں جیومیٹری، ٹاپولوجی اور حرکیاتی نظام (Dynamical System) کے مسائل کو ملا کر ایک نئے شعبہ کی بنیاد ڈال دی"۔

(نیچر مجلد 549,32 7 ستمبر 2017)

اس تھیورم کی مدد سے فزکس کے اہم مسئلہ (روشنی، گیس اور مادے کے) انتشار کے شرح کے حساب اور تخمینہ متعدد نظام اور سسٹم میں کیا جا سکتا ہے۔ ایک روسی ریاضی داں انتون زورچ (Anton Zorich) کے الفاظ میں ''مریم اور ایلکس کے ذریعہ ثابت کیا گیا تھیورم اتنا حسین اور طاقتور ہے کہ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس کا استعمال ان گنت طریقوں سے کیا جا سکتا ہے جو ہمارے موجودہ تصور سے بھی پرے ہے۔

(حوالہ فوربس میگزین پاؤل ہالپرین یکم اگست 2017)

مریم مرزا نے سنہ 2005 میں جان ووندرک (Jan vondrak) سے شادی کی، جو اسٹینفورڈ یونیورسٹی میں ریاضی کے

ایسوسیٹ پروفیسر ہیں۔ساتھ ہی آئی بی ایم ریسرچ سینٹر میں کمپیوٹر سائنس ریسرچ بھی ہیں۔ان دونوں کی ایک بیٹی آناہیتا ہے۔

زندگی کی 40 بہاریں دیکھنے کے بعد Breast cancer ہوجانے کے سبب 16 جولائی 2017 کو وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔یہ مرض انہیں چار سال قبل 2013 میں ہی لاحق ہو گیا تھا۔جو دھیرے دھیرے ہڈیوں اور لیور میں پھیل گیا جو ان کی موت کا سبب بنا۔ وفات کے وقت وہ Standford Hospital میں زیر علاج تھیں۔

ان کی وفات پر ایرانی صدر حسن روحانی نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:۔

''مریم مرزا جیسی باصلاحیت انسان کا قبل از وقت دنیا سے چلے جانا ریاضی کی دنیا کا بہت بڑا خسارہ ہے۔مریم مرزا نے نہ صرف ایران کا نام روشن کیا ہے بلکہ ایرانی عورتوں اور نوجوانوں کو بین الاقوامی میدان تک پہنچنے کی راہ ہموار کی۔

ناسا (NASA) کے سائنسداں اور مریم کے دوست فیروز نادری Firouz (Micheal Naderi) نے بڑے ہی جذباتی انداز میں مریم کو یاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''میرا دل ٹوٹ گیا وہ بہت جلد ہم سے جدا ہوگئی۔''

(News Week 15 July 2017)

امریکہ کی مشہور یونیورسٹی اسٹینفورڈ (Standford University) کے صدر مارک ٹیسر لے وگن (Marc.Tessier. Levigne) نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

''مریم بہت جلد دنیا سے رخصت ہو گئیں مگر وہ ہزاروں خواتین کے لیے حوصلہ مندی کی مثال بن کر ہمیشہ زندہ رہیں گی۔''

(News Week 15 July 2017)

اسٹینفورڈ (Standford University) یونیورسٹی کے شعبہ ریاضیات کے صدر اور پروفیسر الینی آیونیل (Eleny Ionel) نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا:۔

''یہ سوچ کر کتنا دکھ اور رنج ہوتا ہے کہ مریم جیسی خاتون جو بہت حوصلہ اور مہارت و قابلیت کی غیر معمولی مثال تھیں، اتنی کم عمر میں ہم سے چھین لی گئیں۔''

(Standford University Web site 23 Oct 2017)

امریکن میتھمیٹیکل سوسائٹی (American Mathematical Society(AMS) کے صدر کینتھ اے روبرٹ (Kenneth. A.Rabart) نے اپنے درد کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

''جب میں 15 جولائی کو جاگا اور مجھے پتہ چلا کہ مریم مرزا خانی کی وفات ہوگئی تو مجھے ایسا لگا کہ میری آنت کسی نے زخمی کر دیا ہے۔وہ نہایت ہی کامیاب اور غیر معمولی صلاحیت والی خاتون تھی۔ان کی وفات ساری انسانیت کے لئے خسارہ ہے۔''

(اے ایم ایس ویب سائٹ AMS website)

یہ سچ ہے کہ مریم کا پیکر خاکی ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے لیکن ان کی حیات جاوید کا سرچشمہ ہمیشہ کے لئے انسانی فکر وفن کو سیراب کرتا رہے گا اور ان کے افکار و نظریات اور اخلاق و کردار کی تب و تاب دنیائے انسانیت کو روشن کرتی رہی گی۔

SabihaNasreen
Research Scholar
Department of Urdu
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025
Mob. 9910259246

فرہنگ آصفیہ سے

اسم اعظم ۔ ف۔ ع۔ اسم مذکر۔ خدائے تعالی کے تمام ناموں سے بڑا نام۔ خدا تعالی۔ ذاتی نام۔ اللہ۔ حی القیوم۔ (اس نام کی تعیین میں بہت سا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اللہ بعض کے نزدیک صمد۔ بعض کے نزدیک حی القیوم اور بعض کے نزدیک الرحمان الرحیم ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے لفظ ہو کو اسم اعظم قرار دیاہے۔ کہتے ہیں کہ اسم ہو تمام اسمائے الہی کی اصل اور آل ہے جس طرح سورہ فاتحہ قرآن مجید کی اصل اور مآل ہے عبد الرزاق کاشی نے اسم اعظم کے معنی میں یہ رباعی لکھ کر اپنی رائے کا فیصلہ کرلیاہے

شاعرات کے منتخب اشعار

توڑو نہ یوں کہ مجھے کہ عمارت ہی گر پڑے
اقدار کے ستون کی لازم کڑی ہوں میں

اپنے وجود میں ہوں میں سر چشمۂ حیات
گو مدتوں زمین میں زندہ گڑی ہوں

رشیدہ عیاں

تقریر کی لذت خوب سہی پر مرد مجاہد ہے تو وہی
جو ٹکر لے طوفانوں سے جو کود پڑے انگاروں میں

انسان کا غم جو اپنائیں جو نقش حقیقت چمکائیں
فنکار گنے جائیں گے وہی مستقبل کے معماروں میں

سیدہ فرحت

دوریوں کی دھوپ ہے اور دھوپ میں لذت بھی ہے
ضرب جاں کی چاندنی سے سربسر کرنا مجھے

وہ جو دے رہا ہے قریب سے کسی روشنی کی ضمانتیں
مری چشم تر کی فصیل پر وہ چراغ اب بھی بجھا نہیں

صغریٰ عالم

جل جل کے بجھ رہی ہے دھواں ہو رہی ہے آگ
کن گیلی لکڑیوں کو جلانے چلی ہے آگ

سات سمندر پار اترے تو سات سمندر آگے پائے
من مانجھی! پتوار اٹھا چل پھر طوفان سے لڑنا ہوگا

بلقیس ظفیر الحسن

کہیں دشت تھا کہیں وادیاں کہیں بستیاں کہیں ندیاں
ترے نقش پا کی تلاش میں جو یہاں وہاں سے گزر گئے

تھے جو فاصلے شب و روز کے تری جستجو میں جو طے ہوئے
تری رہ گزر تھی جہاں جہاں تو وہاں وہاں سے گزر گئے

مریم غزالہ

وہ آسماں ہے مرا میں زمین اس کی ہوں
وہ مجھ پہ فصل اگائے یا کال دے مجھ کو

میں اپنے جسم میں رہتی ہوں اس تکلف سے
کہ جیسے اور کسی دوسرے کے گھر میں ہوں

وفا لکھنوی

اخلاص کے سکے کھوٹے ہیں، ایثار کے موتی جھوٹے ہیں
یہ کیسا سمے ہے اے لوگو ہے خون کی رنگت پانی سی

کس کا جمال ہے کہ ستاروں کی چھاؤں میں
جب بھی نظر اٹھی تو رہی جھلملا کے آنکھ

سیما نجمی

لپٹ کے پیروں کے آبلوں سے کہا تھا خاک وطن نے ہم سے
جسے رگ گل سمجھ رہے ہو، تمہارے حق میں وہ خار ہوگی

اے باغباں بتا یہ قفس ہے کہ آشیاں
گھٹتی ہے سانس اور ہوا کا گزر نہیں

وحیدہ نسیم

زندگی شورش، تلاطم، اضطراب
اور محبت زندگی کا ایک خواب

آرزو کے ماہ و انجم بجھ گئے تو کیا ہوا
پھر چراغ خون دل سے یہ اندھیرے کم کریں

ممتاز مرزا

صبا تو آئی مگر سوگوار آئی ہے
ڈبو کے خون میں آنچل بہار آئی ہے

یہ کس نگر میں آ گئے یہ کون سا مقام ہے
سیاہیوں کی دوپہر تمازتوں کی شام ہے

زاہدہ زیدی

نیلوفر رحمانی

سعدیہ اقبال

نیلوفر رحمانی ایک نڈر، باہمت، حوصلہ منداور غیر معمولی صلاحیتوں والی خاتون ہیں، جنھوں نے افغانستان فضائیہ فوج (ایئرفورس) کی پہلی مسلم خاتون پائلٹ ہونے کا افتخار حاصل کیا ہے۔ افغانستان کے سالہا سال سے چلے آرہے نامساعد حالات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، ایسے حالات میں بادمخالف کا سامنا کرتے ہوئے نیلوفر رحمانی نے جو کامیابی حاصل کی ہے یقیناً وہ ان کے غیر معمولی جرأت مندانہ حوصلے کے سبب ممکن ہوسکا ہے:

رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان!
تو بھی اے فرزند کہستاں! اپنی خودی پہچان!
اپنی خودی پہچان او غافل افغان!
موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!
اپنی خودی پہچان او غافل افغان!

علامہ اقبال نے برسوں پہلے افغان قوم کو بیدار کرنے کی غرض سے یہ اشعار قلم بند کیے تھے، اور تمنا کی تھی کہ وہ بھی دوسری اقوام عالم کی طرح ترقی کی منزلیں طے کرے اور قعر مذلت سے نکل کر بام عروج کو پہنچے۔ آج جب کہ ایک افغانی مسلم خاتون نیلوفر رحمانی نے تمام تر نامساعد حالات کا سامنا کرتے ہوئے اپنے پختہ عزم کے ساتھ ایک غیر رسمی پیشہ پائلٹ کو اختیار کر کے ثابت کردیا ہے کہ اگر یقین محکم اور پیہم عمل ہو تو جہاد زندگی سر ہو جاتا ہے۔ آج جب ہم غور کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نیلوفر رحمانی کی کامیابی علامہ کی تمناؤں کی تفسیر بن گئی ہے۔

فضائیہ فوج کی پہلی مسلم خاتون پائلٹ نیلوفر رحمانی کے بارے میں مئی 2013 میں دنیا کو معلوم ہوا کہ 30 سال کی مدت میں کوئی خاتون افغان ایئر میں سے ٹریننگ لے کر بحیثیت پائلٹ فرائض انجام دے رہی ہے جو C-208 اور C-27 بنا لین میں ہے۔

21 سالہ فرسٹ لیفٹیننٹ نیلوفر رحمانی کی پرورش کابل میں ہوئی، جو سالوں سے جنگ وجدال سے دوچار رہا ہے۔ اس ملک میں عام طور سے حکومت غیر مستحکم ہی رہی اور عورتوں کے حقوق محدود تھے۔ اگرچہ ان کا بچپن بہت لاڈ پیار میں گزرا، لیکن ملک کے حالات ناسازگار ہونے کے سبب مستقبل تاریک تھا۔ ان کا ایک بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ نیلوفر کو فخر ہے ان کا خاندان ہر طرح سے انھیں تعاون کرتا ہے اور ان کا حمایتی ہے۔ رحمانی نے اپنے ای میل میں کہا ہے "میں کابل میں پروان چڑھی، چونکہ افغانستان میں مستقل جنگ کے حالات رہے اس لیے بچپن کی یادیں خوشگوار نہ ہونے کے سبب معدوم سی ہیں۔ میں افغانستان کے روشن مستقبل کی خواستگار ہوں اور میری تمنا ہے افغان قوم پُر امن زندگی گزارے"۔ ان کا کہنا ہے کہ جب وہ پرواز میں نہیں ہوتیں تو گٹار سے لطف اندوز ہوتی ہیں، کیونکہ اس سے انھیں سکون حاصل ہوتا ہے۔

اس ملک میں جہاں عورتوں کے حقوق محدود ہیں اور تعلیم کا فقدان ہے، وہاں نیلوفر رحمانی کا پائلٹ بننا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ CNN اور UN رپورٹ کے مطابق صرف 12 فیصدی عورتیں (15 سال سے زیادہ عمر والی) لکھ اور پڑھ سکتی ہیں، یہ رپورٹ 2010 کی 39 فیصدی تعلیم یافتہ مردوں کے مقابلہ میں دی گئی ہے۔ ایسے ملک میں نیلوفر کی پیدائش ہوئی، جہاں صرف 7 4 فیصد عورتیں برسر روزگار ہیں، 86 فیصد مردوں کے مقابلے میں۔ ایسے ماحول اور سماج میں اپنے خواب کی تعبیر پانا اور منزل مقصود کو پہنچنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

چونکہ یہ ایک روایتی ملک ہے اس لیے روایت سے ہٹ کر کام کرنا ناپسندیدہ عمل سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں جب نیلوفر نے پائلٹ بننے کا عزم مصمم کرلیا پھر وہ کہتی ہیں 'میں نے پرانی تہذیب اور طور طریقوں کو بدلنے کی کوشش کی۔ میں نے لوگوں کی ذہنیت بدلنی چاہی جو سمجھتے ہیں عورتیں نااہل ہوتی ہیں۔ پائلٹ نہیں بن سکتی ہیں۔ یہی افغانستان کا سماجی مسئلہ ہے۔ میرا پائلٹ بننا انھیں ایک آنکھ نہیں بھایا، یہ ان کے لیے اچھی بات نہیں تھی۔ مجھے بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ طرح طرح سے خوف زدہ کیا جاتا ہے۔ میرے اطراف ایسے ہی لوگ ہیں جو یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی عورت پائلٹ ہو۔ ان سب باتوں کو پس پشت ڈال کر میں نے اپنا سفر جاری رکھا، کیونکہ میں عہد کرچکی تھی کہ مجھے پائلٹ بننا ہی ہے۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ بہت دشوار کن فیصلہ ہے۔ مگر مجھے یہ سب بدلنا ہے اور ہر شخص میں فکری تبدیلی لانی ہے۔'

نیلوفر کہتی ہیں کہ ان کے والد کا بھی یہ خواب تھا کہ وہ پائلٹ بنیں لیکن ان کا خواب پورا نہ ہوسکا۔ ان کے خواب کی تکمیل میں نے کی۔ آج جہاں نیلوفر ہیں وہاں تک پہنچنے میں ان کے والد کا ہاتھ ہے۔ ابتدا سے ہی ان کا سارا خاندان ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور ان کو نیلوفر پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ ایک دن ضرور کامیاب ہوں گی۔ نیلوفر کہتی ہیں کہ 'افراد خاندان اور اساتذہ کی رہنمائی اور مدد کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔'

نیلوفر رحمانی کا کہنا ہے کہ کسی بھی چیز میں اول ہونا بڑی آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے مجھے اڑنے کا جنون تھا اس کے لیے پائلٹ بننا ہی میری منزل تھی۔ پھر یہیں سے میرے سفر کی ابتدا ہوئی۔

یو پی ٹی میں داخلہ کی صلاحیت کے لیے طلبا کو انگریزی بحیثیت دیگر زبان کی تعلیم ضروری ہے جس کی تکمیل چھ ماہ سے ڈیڑھ سال کے اندر اپنی سہولت کے مطابق کرلیتی ہوتی ہے۔ منظوری ملنے کے بعد تین مرحلوں میں ٹریننگ ہوتی ہے جس کی تیاری UPT اور تھلو طو فوجیں کراتی ہیں۔

21 سالہ نیلوفر ان پانچ یو پی ٹی کلاس 12-03 ٹریننگ کرنے والوں میں ایک تھیں، جنھوں نے ٹریننگ کے دوسرے مرحلے میں سسنا 208 ایئرکرافٹ کی ٹریننگ حاصل کی۔ رحمانی کہتی ہیں کہ مجھے فخر ہے کہ 'میں نے یہ حاصل کرلیا اور یہ بھی فخر ہے کہ پہلی فضائیہ فوج کی مسلم خاتون پائلٹ بن گئی ہوں۔ لیکن ابھی بھی مجھے سخت محنت کرنا ہوگی کیونکہ میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ میرے ملک کی خواتین بھی یہ سب کچھ کرسکتی ہیں۔'

ایک تعاون دینے والے پائلٹ نے کہا کہ افغانستان میں ایک خاتون کا پرورش پانا اور پائلٹ بننے کا خواب دیکھنا اپنے ساتھ بڑی دشواریاں لاتا ہے، جن کا سامنا کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ لیکن نیلوفر کی یہ قربانی بے سود نہیں ہے۔

14 مئی 2013 کو افغان ایئرفورس کی سیکنڈ لیفٹیننٹ نیلوفر رحمانی نے پہلی مسلم خاتون پائلٹ ہونے کی تاریخ رقم کی۔ افغان نیشنل آرمی کے چیف آرمی اسٹاف نے کہا 'آج افغان فوج اور افغانستان کے لیے بہت اچھا دن ہے۔ ہم نہ صرف پائلٹ تیار کرتے ہیں بلکہ بہتر آفیسر بھی بناتے ہیں۔ یہ سامان نہیں کہ جہاں سے چاہیں خرید لیں۔ انسان خریدے نہیں جاتے، بہت وقت اور پیسہ لگتا ہے ان کو تربیت یافتہ کرنے میں۔'

اس موقع پر رحمانی اور ان کے دیگر ساتھی جشن میں مصروف تھے مگر رحمانی کو معلوم ہے کہ ابھی سفر کی ابتدا ہے آگے سفر بہت صبر آزما ہے، کیونکہ افغانستان کے ماحول اور حالات نے اسے مزید مشکل بنا دیا ہے۔ نیلوفر کا کہنا ہے کہ میرا مقصد اپنے ملک کی مدد کرنا ہے، اس کے مستقبل کو تابناک بنانا ہے تاکہ یہاں کی خواتین دوسرے ممالک کی خواتین کی ہمسری کرسکیں، روایتی بندشوں کو توڑیں اور خواتین یہ سمجھ لیں کہ آسمان ہی ان کی منزل ہے۔

کابل ایئر ونگ میں ان کا کام 373 ویں اسکواڈرن میں میدانی کارزار میں مدد کرنا ہے۔ وہ پوری دیانت داری اور جرأت مندی سے اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔

طالبان کی دھمکیوں کے باوجود اس مقام تک پہنچنے والی نیلوفر رحمانی اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دینے کے لیے مصروف عمل رہتی ہیں۔ ان کی حوصلہ مندی اور بہادری کا لوہا مانتے ہوئے امریکی محکمہ خارجہ کی جانب سے خواتین کی حوصلہ افزائی کے عالمی اعزاز سے انھیں نوازا

گیا ہے جو تمام عالم کی خواتین کے لیے باعث فخر ہے۔

افغانستان کے قدامت پسند ہونے کی وجہ سے یہاں کسی بھی جدت پسندی کی بڑی تیزی سے مخالفت کی جاتی ہے۔ یہاں کے مرد اسے اپنی شان میں بٹہ لگنا سمجھتے ہیں ایسے میں اگر کوئی خاتون روایت سے ہٹ کر کوئی کام کرتی ہے پھر تو اس کے لیے پریشانیوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے جاتے ہیں۔ آج جبکہ یو ایس کی فورسیز افغانستان میں اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں، ایسے میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔ جن میں کچھ مثبت بھی ہیں، جیسے ایک وزارت ہے جو خواتین کے معاملات کے لیے مختص ہے، جس کے دفاتر پورے افغانستان میں ہیں۔ اب خواتین سیاست میں بھی سرگرم عمل ہیں جو اس سے پہلے سماج میں قابل قبول نہ تھا۔

نیلوفر کہتی ہیں کہ یو ایس کی فورس کی مداخلت کے بعد سے تقریباً پانچ سالوں میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔ عورتوں کی ایک اچھی تعداد تعلیم یافتہ ہوگئی ہے جو خوشگوار تبدیلی ہے۔ افغانستان آج بھی ایک روایتی ملک ہے اس لیے یہاں بڑی مشکل سے تبدیلی آئے گی لیکن کچھ خاندانوں میں تبدیلی آرہی ہے اور کچھ پہلے سے ہی بیدار ہیں ان میں سے ایک خاندان نیلوفر کا بھی ہے۔

افغانی جرنلسٹ زرغونہ صالحی نیلوفر کے پائلٹ بننے سے بے حد خوشی محسوس کر رہی ہیں، وہ نیلوفر کا انٹرویو کرنا چاہتی ہیں۔ صالحی نیلوفر کو خواتین کا ہیرو مانتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں لڑکیوں کے اسکول جاتی ہوں اور ان کے خیالات جاننا چاہتی ہوں کہ وہ کیا بننا چاہتی ہیں تو وہ الگ الگ فیلڈ میں جانا چاہتی ہیں۔ بچیوں کے حوصلے کافی بلند ہیں، شرط یہ ہے کہ انھیں ماحول سازگار ملے یا پھر وہ نیلوفر رحمانی جیسی جرأت رکھتی ہوں۔ آج کی تاریخ میں افغانی خواتین کے لیے نیلوفر رحمانی ایک بہترین رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہیں اور خواتین کا حوصلہ بن چکی ہیں۔

زرغونہ صالحی ایک جرنلسٹ ہیں وہ اکثر و بیشتر خواتین کے مسائل پر لکھتی رہتی ہیں اور عورتوں کے مسائل زور و شور سے اٹھاتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ اس سے پہلے میں نے اپنے ملک کی خواتین میں بامقصد زندگی گزارنے کا ایسا جوش و ولولہ نہیں دیکھا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئی ہیں۔ ملک کے حالات سازگار نہ ہونے کے سبب خواتین کو تعلیم کے حصول میں کافی دقتیں آتی ہیں۔ اگر بین الاقوامی برادری مالی تعاون دے تو ہم لوگ خواتین کو اعلیٰ تعلیم کے لیے آمادہ کر سکتے ہیں۔ صالحی کہتی ہیں کہ میں یہ تو نہیں کہتی کہ 2014 کے بعد اچانک خواتین کے حقوق میں کوئی متحیر کن کارنامہ انجام دیا جائے گا لیکن یہ خوش کن تبدیلی بہتر ماحول ضرور لائے گی، جس سے عورتوں کے لیے راہ ہموار ہوگی۔ ان حالات میں بہتری لانے میں نیلوفر رحمانی کی مثبت فکر اور ان کا عملی کردار ایک بہترین رول ماڈل کا ہے۔ ان کے اس کارنامہ سے نئی نسل خاص طور پر بچیوں اور خواتین کو ایک نیا جوش و ولولہ ملا ہے اور ان سبھی کو اپنی منزل آسمانوں میں دکھائی دے رہی ہے۔ نیلوفر رحمانی کا حوصلہ نہ جانے افغانستان کی کتنی بچیوں اور خواتین کے حوصلے کا سبب تو بنے گا ہی ان کے اس عظیم کارنامے کو پڑھ کر دنیا کی کتنی خواتین نیلوفر رحمانی کو اپنا رہبر مانتے ہوئے اپنے مستقبل کو بامقصد اور روشن بنانے میں کامیابی کی منازل طے کریں گی۔ نیلوفر رحمانی تمام دنیا کی خواتین اور خصوصاً نامساعد حالات سے دوچار خواتین کے لیے مشعل راہ ہونے کے ساتھ ہی ایک قابل تعظیم شخصیت ہیں۔

Sadia Iqbal
C-11, Sector 21
Noida-203001(U.P)

شہناز نبی

خواتین افسانہ نگاروں کی تخلیقی حسیت

کسی نے کہا ہے کہ :

"All women wirters are pupils of the great male writers."

اس مقولے کی روشنی میں اگر اردو کے تانیثی ادب کا جائزہ لیں تو یہ بات کچھ حد تک درست نظر آتی ہے۔ اگر ہم اردو کی خواتین افسانہ نگاروں کی تخلیقات کا جائزہ لیں تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تانیثی ادب کے ابتدائی دور میں خواتین افسانہ نگاروں نے مرد فن کاروں سے استفادہ کیا اور ان کے انداز کو اپنانے کی کوشش کی۔ مثلاً نذر سجاد حیدر یا حجاب علی امتیاز جیسی خواتین افسانہ نگار اسی انداز کے افسانے لکھ رہی تھیں اور ویسے ہی کردار تخلیق کر رہی تھیں جو اس وقت تک مرد ادیبوں کے قلم سے صفحۂ قرطاس پر بکھر چکے تھے۔

سرسید کی اصلاحی تحریک کے زیر اثر ان کے احباب نے عورتوں کی تعلیم، پردے کی ضرورت و اہمیت اور ایسے ہی دوسرے موضوعات کو اپنے مضامین، افسانوں اور ناولوں میں سمونے کی کوشش کی تھی۔ نذیر احمد کے ناول، عابد حسین کے ڈرامے، یلدرم کے افسانے کم و بیش ایسے نسوانی کردار پیش کر رہے تھے جو مثالی تھے۔ عورتوں سے زیادہ سے زیادہ قربانیاں طلب کی جاتیں۔ انہیں سگھڑ، باوفا، پاک طینت، فرمانبردار دکھایا جاتا اور یہ انداز کچھ اردو ادب سے ہی مخصوص نہ تھا۔ دنیا کے کسی بھی ادب کا مطالعہ کر لیجیے، اس میں آپ کو یہی انداز ملیں گے۔

اُنیسویں صدی کے انگلستان میں جین آسٹن، شارلٹ برونٹے اور جارج ایلیٹ جیسی مشہور خواتین ناول نگاروں کے ہوتے ہوئے بھی جان اسٹوارٹ مل نے عورت قلم کار کی انفرادی صلاحیتوں سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

They can only be imitators and never inventors.

اس کا کہنا تھا کہ مردوں کی ادبی روایت سے فرار حاصل کرنے میں عورت کو بہت دشواری ہوگی۔ اصلی، بنیادی اور آزاد ادب کی تخلیق عورت کے بس کا روگ نہیں۔ اگر عورت کسی دوسری دنیا کی باشندہ ہوتی اور اس نے مردوں کی کوئی تحریر کبھی نہ پڑھی ہوتی تو شاید اس کے لئے اپنا ادب تخلیق کرنا آسان ہوتا۔

چوں کہ ابتداً مردوں کو اظہار کی آزادی تھی اور وہ ادب لکھنے پر قادر تھے، اس لئے انہوں نے جو کچھ لکھا، وہی ادب کے ابتدائی نمونے قرار پائے اور ان کی نقالی میں عورتوں نے بھی وہی طریقۂ کار اختیار کیا لیکن دھیرے دھیرے عورتوں میں تعلیمی رجحان پنپنے لگا اور مطالعے کے بڑھتے ہوئے شوق نے انہیں ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیا، جہاں انہیں اپنی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

ترقی پسند تحریک کی باضابطہ شروعات سے چند سال قبل رشید جہاں کے افسانوں نے اپنی بے باکی اور صاف گوئی کی وجہ سے دھوم مچا دی۔ اس کے بعد رضیہ سجاد ظہیر اور صالحہ عابد حسین نے مورچہ سنبھالا۔ عصمت چغتائی نے 1940 کے آس پاس ایسے افسانوں سے اپنا سفر شروع کیا جو حقیقت پسندی کی عمدہ مثال تھے اور نہ صرف موضوعات کے اعتبار سے نئے تھے بلکہ لب و لہجے کی انفرادیت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے عورتوں کے جذبات و احساسات کو بھرپور طور پر پیش کیا اور مڈل کلاس کی نفسیاتی کشمکش کو شعوری توجہ سے دیکھا، محسوس کیا اور ایسے کردار تخلیق کئے جو اس سماج کے چلتے پھرتے، جیتے جاگتے کردار تھے، جو معصوم فرشتے نہیں تھے بلکہ انسان تھے اور جن کے اندر بشری کمزوریاں اسی طرح فطری طور پر موجود تھیں جس طرح کہ اچھائیاں مثلاً ان کا ایک افسانہ ('چھوٹی آپا') ایسی لڑکی کا کردار پیش کرتا ہے، جو بظاہر بڑی پاک باز ہے، شوہر کی وفادار ہے اور شوہر خود بھی اسے بے انتہا معصوم سمجھتا ہے لیکن جب اس کی چھوٹی بہن، اس کی ڈائری پڑھتی ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ بظاہر کم گو اور سنجیدہ نظر آنے والی 'چھوٹی آپا' نے شادی سے قبل کن کن لڑکوں سے عشق فرمایا اور کیسے کیسے رشتے بنائے (کہ نباہنے کی کوئی شرط نہیں تھی)۔ یہاں اس حوالے کا مقصد صرف یہ ہے کہ عصمت نے عورت کے اسٹریو ٹائپ کردار پر کاری چوٹ پہنچائی اور پہلی بار عورت کے باطن میں جھانکنے کی کوشش کی۔ عورت کی اپنی پسند ہو بھی سکتی ہے اور ضروری نہیں کہ وہ کبھی نہ بدلے۔ عصمت کے ساتھ ساتھ قرۃ العین حیدر نے بھی ناول، ناولٹ، افسانے بھی کچھ لکھے لیکن چوں کہ یہاں بات افسانوں کی ہے۔ لہٰذا اگر افسانہ نگار کی حیثیت سے ہم قرۃ العین حیدر کے فن کا جائزہ لیں تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قرۃ العین حیدر کو تقسیم نے ویسی ہی چوٹ پہنچائی تھی جیسی کہ منٹو کو۔ منٹو اس کا اظہار اپنے طور پر کرتا ہے اور قرۃ العین حیدر اپنے طور پر۔ قرۃ العین کے نسوانی کردار پردے کی بو باس تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے یہاں مس یوم یوم بھی ہیں۔ وہ ایک ایسے کلچر کو پیش کرتی ہیں جو ہندوستانی ہونے کے باوجود کونونٹ کی آب و ہوا سے انگریزی خو بو

حاصل کر چکا ہے۔

جیلانی بانو نے نصف صدی کے آس پاس اپنا تخلیقی سفر شروع کیا اور آج تک لکھ رہی ہیں۔ واجدہ تبسم، آمنہ ابوالحسن، صغریٰ مہدی نے تانیثی ادب میں مزید اضافے کئے۔ گویا ساٹھ کی دہائی تک اردو کے تانیثی افسانوی ادب میں اتنا کچھ لکھا جا چکا تھا کہ عورت قلم کاروں کی اپنی ایک ٹولی تیار ہوگئی ہے اور اب اگر تانیثی ادب کا جائزہ لینا ہے تو یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ اب تک مرد قلم کاروں کی شاگرد ہیں یا پھر ان کی ٹولی میں ایسی اُستانیاں ہیں جن سے موجودہ خواتین قلم کاروں کی روایت وابستہ ہے۔

اگر ہم موضوعات کی بحث چھیڑیں تو دیکھیں گے کہ موجودہ افسانہ نگار خواتین موضوعات کے اعتبار سے اپنی پیش رو خواتین قلم کاروں کی تقلید کر رہی ہیں اور ایسے کردار تخلیق کر رہی ہیں جو زمانے کے ظلم کا شکار ہیں لیکن جن کے اندر کی عورت نہ ٹوٹتی ہے نہ مرتی ہے مثلاً خدیجہ مستور کے افسانہ 'خرمن' کو لیجیے۔ اس میں جس عورت کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے وہ ایک غریب اور بے بس عورت ہے۔ اُسے ایک آدمی صرف چھ مہینوں کے لئے بیاہ کر لے جاتا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ اس کی بیوی بیمار ہے۔ اُسے اپنی بیوی کی تیمارداری' بچوں کی نگہداشت اور جانوروں کی رکھوالی کے لئے ایک نوکر چاہیے۔ اس کی بیوی کی موت کے بعد مرکزی کردار کے دل میں اُمید کی ایک ہلکی سی کرن جھلملاتی ہے کہ شاید اب اس کی یہ 'چھ ماہ' کی نوکری مستقل ہو جائے اور اس کا مالک، اس کا آقا یا خاوند اُسے ہمیشہ کے لئے یہ گھر بخش دے اور اُسے رانی بنا کر خود اس کا غلام بن جائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس کا مالک اس کا حساب چکتا کر دیتا ہے اور ایسا کرتے وقت وہ ایک پل کو بھی یہ نہیں سوچتا کہ اسے وہ بیاہ کر لایا تھا، چاہے چھ مہینوں کے لئے ہی سہی۔ اس عرصے میں اس کے بچے، اس کے جانور، یہاں تک کہ اس کے کھیت کھلیان تک اس عورت، بیوی/نوکرانی سے مانوس ہو چکے تھے، اُسے اپنا چکے تھے لیکن اگر کسی نے ٹھکرایا تو بس اُسی ایک شخص نے جو نکاح کے دو بول پڑھا کر اُسے گھر لے آیا تھا۔

اگر فکشن کی بحث چھیڑیے تو عورتوں کی تخلیقی حسیت کا واضح ثبوت ان افسانوں میں ملتا ہے، جہاں انہوں نے اپنے کرداروں کو انوکھا لب ولہجہ عطا کیا ہے جو نہ صرف ان کے کرداروں کی نفسیات سے ہمیں متعارف کراتا ہے بلکہ ان کی ذہنی پیچیدگیوں سے بھی آگاہ کراتا ہے اور ان کی مجبوریوں سے بھی جو عورت ہونے کی صورت میں انہیں پیش آتی رہتی ہیں اور جنہیں جھیلنا پڑتا ہے۔ مثلاً زاہدہ حنا کا افسانہ 'یار من بیا' مشمولہ alqamar.com دیکھئے:

''پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ گھر بھر کے لئے صرف ایک تولیہ ہے اور باری باری سب وہی استعمال کرتے ہیں اور اس کے شوہر کے منہ سے خوفناک بو آتی ہے اور مسوڑھوں سے خون بہتا رہتا ہے مگر اماں نے اس کو برقعہ اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا: کچھ بھی ہو، اب وہی تمہارا گھر ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور یہ کہ وہ اسٹور روم کی الماری میں سے اپنے لئے تولیہ لے جائے۔ آخر کلثوم بھی تو اسی گھر میں رہتی ہے۔ وہ تو کبھی واویلا کرتی ادھر نہیں آئی۔ حالاں کہ اس کا نزدیکی رشتہ بنتا ہے اس گھر کے ساتھ اور یہ کہ وہ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور اس کا باپ شہر کا بڑا رئیس اور بڑا امانا ہوا بزرگ تھا اور بچپن میں وہ فارسی بولتی تھی——

یہ 'اور' کی تکرار کھٹکتی ہے لیکن اس سے جو قصہ پن پیدا ہوتا ہے، وہ افسانے میں داستان کی سی دلچسپی پیدا کر دیتا ہے اور سننے پڑھنے والا ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے کہ اب آگے کیا——؟

''آج غفور آیا تھا...... یہ تو کچھ بھی نہیں...... مامی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

عبدالغفور صاحب—— کلثوم نے کہا۔

ہاں وہ تو کہتا تھا—— وہ پیسے وغیرہ لے گیا تھا بچے کے کفن دفن کے لئے۔

ہیں—— احتل حیران ہوئی۔

پھر قہقہہ لگا کر لوٹ پوٹ ہوگئی۔ ضرور...... ضرور...... غفور بھابھا ادھر بھی گیا ہوگا گھروں سے پیسے اکٹھے کرنے کے لئے گیا ہے کہ بچہ مر گیا۔ رات کو آجائے گا چرغے شرغے کھا کے۔

ہیں...... مامی مشتری کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کلثوم کا چہرہ شرمندگی کے مارے مسخ ہوگیا۔

ہاں...... غفور صاحب...... معلوم نہیں ایسا کیوں کرتے ہیں...... ویسے میں تو بیمار تھی۔

احتل نے مامی کے کان میں کچھ کہا اور مامی بھڑک گئیں۔

لعنت ہے خدا کی۔ ارے پانچ تو باہر گلی میں کھیل رہے ہوں گے۔ ایک جھولے میں پڑا ہے—— اب تو اس غریب کی جان چھوڑے——'' (مشمولہ: alquamar.online)

خالدہ حسین کا افسانہ 'پرندہ' بھی کسی نفسیاتی کش مکش کا آئینہ دار ہے:

''اس میں کیا ہے؟ میں گلاس چھوڑ کر آگے بڑھا مگر اس پنجرہ پر کپڑا پڑا تھا۔ میں نے اُسے ہٹانا چاہا تو اماں چلائی:

رہنے دو یہ کپڑا انہیں ہٹاؤ۔ بیچارہ...... ڈر جائے گا...... مر جائے گا...... نفرت کی سیاہ لہر میرے پیٹ میں اُٹھی۔

تو پھر ادھر کیوں رکھا ہے اسے۔ میں دہاڑا۔ اس پر ماں بولی: میں کیا جانوں۔ تمہیں تو لے کر آئے تھے۔ رکھ گئے تھے بغیر کچھ

کہے تھے۔''

ذکیہ مشہدی کے افسانے 'آدم خور' کا یہ اقتباس عصمت کے لہجے کی یاد تازہ کر دیتا ہے:

''گودام سے بھینسوں کی سانی کے لئے سرسوں کی کھلی نکالتے وقت انجورانی نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے تھے اور امرائی میں کھڑے بور سے لدے آم کے درخت کسی تصویر کی طرح فریم میں جڑا تھے تھے دور کہیں کھیت مزدوروں کے چیتی گانے کی آواز آرہی تھی۔ ایسی صاف، دلکش اور واضح جیسے وہ سرخ پھول جنھیں انجورانی نے اپنی چچیری نند کے جہیز میں دی جانے والی سفید چادر پر کاڑھ کر کل ہی مکمل کیا تھا۔''

(مشمول: نیا اردو افسانہ- ایک انتخاب، مرتب: رام لال، اظہار عثمانی)

ہندوستان میں انگریزی زبان وادب کا ورود انگریزوں کے ساتھ ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا اثر بڑھتا ہی گیا۔ ہندوستان آزاد ہونے کے بعد بھی انگریزی تہذیب وتمدن کی تقلید اور انگریزی زبان میں تعلیم کا جنون کم نہ ہو سکا۔ ہندوستان کی علاقائی زبانوں کی اہمیت کا احساس اپنی جگہ اور انگریزی الفاظ کے بے جا استعمال کا شوق اپنی جگہ قائم رہا۔ دورِ حاضر میں انگریزی الفاظ کے کثرتِ استعمال نے اردو کا حلیہ روزمرہ کی زندگی میں کیا کر دیا ہے اسے ہم ترنم ریاض کے اس افسانہ میں دیکھ سکتے ہیں:

''اس نے آج تک میرے کو جتنے flowers دیے ہیں...... میں نے سب کو اپنی almirah میں سجا کر رکھے ہیں...... اس کی ہر چیز، ہر gift...... ہر بات سے اس کی یاد آتی ہے۔''

(میرا کے شام، مشمول: شاعر، اپریل 2004)

آج خواتین افسانہ نگار ہر حقیقت کا اظہار بلا کم وکاست کر رہی ہیں۔ ان کے یہاں اگر ایک طرف گھریلو ماحول کو کثیف بنانے والے رشتوں کی گھٹن کا احساس ہے تو دوسری طرف سیاسی وسماجی بے اطمینانی اور قدروں کی شکست وریخت (اور کبھی ان کی پاس داری) کا اظہار بھی۔ جنسی موضوعات پہ قلم اُٹھانے سے پہلے انھیں یہ خیال نہیں ستاتا کہ ان کی کہانی ضبط ہو جائے گی۔ غرض اردو میں افسانے کی جو روایت پائی جاتی ہے اُس کی آبیاری میں صرف مرد ادیبوں کی محنت شامل نہیں بلکہ خواتین افسانہ نگاروں نے بھی اس روایت کی تعمیر وتشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اردو میں افسانہ نگاری کی تاریخ وتنقید سے بحث کرتے ہوئے کوئی بھی ناقد عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر جیسی قد آور شخصیتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ آج خواتین کے اسالیب، ان کے موضوعات، ان کی نفسیاتی کشمکش، ان کے گھر اور باہر کے تجربوں، ان کے جذبات واحساسات کو نئے سرے سے جانچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خواتین کی مخصوص ذہنی روش کو مدِنظر رکھ کر تانیثی ادب کی تاریخ تحریر ہونی چاہیے۔ آج جب تانیثی جمالیات پر الگ سے بحث کرنے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے تو ایسے میں خواتین کی تخلیقی حسیت کا مطالعہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اردو افسانے کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آج بھی عورتوں کی شمولیت سے پہلوتہی برتی جارہی ہے اور اردو شعر وادب کی بیشتر (anthologies) انتھولوجیاں خواتین کی تخلیقات سے خالی ہوتی ہیں۔ خواتین کے ادب کی دریافت اور روایت سے ان کے جڑاؤ کی نشاندہی بہت ضروری ہے۔ تانیثیت کو بطور تحریک ہم قبول کریں یا رد، اس سے بحث نہیں۔ بحث اس سے ہے کہ خواتین کا ادب اپنے لسانی، جذباتی، جنسی وذہنی رویے کے اعتبار سے الگ پہچان رکھتا ہے۔ انہیں 'نقال' کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا۔ آج ان کے اپنے ادب کی ایک الگ تاریخ ہے۔ اس تاریخ کی تدوین کے لئے انہیں آگے آنا ہوگا جو ادب کو زندگی کا حصہ مان کر چلتے ہیں۔ A literature of their own میں ایلائن شوالٹر نے جان اسٹوارٹ مل کے نظریے سے انحراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ عورتیں ادب میں ایک Sub-culture کی تعمیر کرتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح سیاہ فام، یہودی، اینگلو انڈین، کینیڈین یا امریکیوں نے اپنی شروعات کی تھی۔ ایلائن نے ایسے قلم کاروں کی ادبی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے:

1- نقالی کا دور

جب فنکار اپنی ادبی روایت سے جڑا ہوتا ہے اور ادب میں قدما کی نقالی سے کام چلاتا ہے۔

2- انحراف واحتجاج کا دور

جب قلم کار ادبی روایات سے انحراف کرتا ہے اور اپنی نجی زندگی کے تجربات واپنے اقلیت ہونے کے احساس کے سہارے آگے بڑھتا ہے۔ جب وہ اپنے حقوق واقدار پر اصرار کرتا ہے اور خود مختاری کا طلب گار ہوتا ہے۔

3- خود کو دریافت کرنے کا دور:

اس دور میں قلم کار اپنی انفرادیت کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس دوران وہ مخالف پر منحصر ہونے کے بجائے اس سے الگ ہوتے ہوئے اپنے اندرون کی طرف مراجعت کرتا ہے۔

خواتین کی تخلیقی حسیت کا جائزہ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ عورتیں بہ حیثیت قلم کار خود کو دریافت کر چکی ہیں۔

Shahnaz Nabi
87/1, College Street
Kolkata - 700 073.

جابر حمزہ

قمر جمالی کا ناول آتش دان

دکن سے دکھن تک

اردو جیسی شیریں زبان کا مولد و مسکن ملک ہندوستان رہا ہے اور بالخصوص ارض دکن کو اس سلسلے میں فوقیت حاصل ہے۔ اردو ادب کی تمام اصناف کے مشاہیر اس خطے میں تولد ہوئے اور ان اکابرین ادب نے اپنی تخلیقات و نگارشات سے اردو ادب کو سیراب کیا۔ ساتھ ہی ہر ایک فن کے ماہرین نے اپنے رشحات قلم سے دامن اردو میں مختلف فنون کے موتی سجائے۔

بیشتر نقاد اس بات پر متفق ہیں کی اردو کی ابتداء دکن سے ہوئی، جس سے تحریک پا کر شمالی ہند میں ادبی نشو ونما کے مراحل طے ہونے لگے۔ دکنی ادباء اور شعراء کی جماعت میں مرد تخلیق کاروں کے ساتھ ساتھ خواتین کا بھی ایک جتھا فعال اور سرگرم رہا ہے۔ خواتین کی اس جماعت میں صغرا ہمایوں مرزا، جیلانی بانو، رفیعہ منظور الامین، عفت موہانی، فاطمہ عالم علی تاج، واجدہ تبسم اور آمنہ ابوالحسن وغیرہ نے ہر ممکن ادب کو بیش بہا خزانے عطا کیے۔ اس فہرست میں ایک اہم نام قمر جمالی کا بھی ہے۔

قمر جمالی 2 اپریل 1948 کو حیدرآباد، آندھرا پردیش (موجودہ تلنگانہ) میں پیدا ہوئیں، انہوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز 1966 میں کیا۔ ان کی پہلی کہانی ''اے چاند چھپ جانا'' ہفتہ وار ادبی میگزین ''روداد حیات'' دہلی سے 1966 میں شائع ہوئی۔ دوسری کہانی 1969 میں ''فاصلے مٹ گئے'' رسالہ ''بیسویں صدی'' میں دہلی سے شائع ہوئی۔ قمر جمالی کے اب تک پانچ افسانوی مجموعے شبیہ(1990)، سوچ(نومبر 1992)، سحاب(اپریل 2001)، زہاب(دسمبر 2007)، صحراء بکف(اپریل 2015) میں شائع ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ ''سنگریزے''(1993) اور ایک تبصروں اور دیباچوں کا مجموعہ ''انعکاس''(2012) بھی اس ادبی دنیا کی زینت بن چکے ہیں۔ پہلے وہ محکمۂ مالگذاری میں تھیں پھر بعد میں تحصیلدار کے عہدے پر فائز ہو کر ریٹائر ہوئیں۔ ملازمت کے دوران سے ہی وہ انجمن ترقی پسند مصنفین حیدرآباد کی باضابطہ رکن تھیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اب بھی وہ اس انجمن کے سیکریٹری کے عہدے پر فائض ہیں اور اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دے رہی ہیں۔

یوں تو قمر جمالی نے تنقیدی مضامین، تبصرے، ڈرامے، سفرنامے، ٹیلی فلمیں جیسی اہم اصناف میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن وہ ایک قلمکار کی حیثیت سے افسانے کو ترجیح دیتی ہیں۔ بطور افسانہ نگار ان کے تخلیقی ذوق کی اسی توسیع نے ان کو ناول نگاری کی جانب بھی مائل کیا، جس کا نتیجہ ان کا پہلا ناول ''آتش دان'' ہے جو افسانے کے ساتھ ناول کے فن پر بھی ان کی پوری گرفت کا ثبوت ہے۔ اور شاید یہ اس لیے بھی ممکن ہوا کہ انہوں نے اسے محض رواروی میں نہیں لکھا بلکہ خود انہیں کے الفاظ میں:

''بہت دنوں سے ہمارے ذہن میں ایک خیال کلبلا رہا تھا کہ ناول لکھا جائے۔

آنکھوں دیکھا بھی۔۔۔۔۔۔اور عملاً جیا ہوا بھی۔''

(ناول، آتش دان، ص 7)

بات بے حد پتے کی ہے۔ آج کے کتنے تخلیق کار اپنی تخلیق کو جیتے ہیں؟ معاشرتی مسائل اور احوال وکوائف کو اپنے تخلیقی وجدان وشعور کا حصہ بناتے ہیں۔ کیا آپ کو ایسا نہیں محسوس ہوتا کہ ہم بڑی تیزی سے اس فرق کو بھولتے جا رہے ہیں جو تخلیق کار اور صحافی میں ہے۔ محولہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر جمالی نے اس ناول میں دوران ملازمت جن مشکلات ومصائب کا سامنا کیا تھا، ان تجربات ومشاہدات کو انہوں نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اپنے تخلیقی شعور ووجدان کا حصہ بنایا ہے۔ اگرچہ ناول کی شروعات داستانوی انداز میں ہوتی ہے، مگر کسان، مزدور کی مظلومیت اور سورج پور کے عوام پر ڈھائے جا رہے ظلم جو اس ناول کا مرکزی خیال ہے، خاصی ارضیت کے ساتھ کیفیت بار ہوتا ہے۔ ناول کا تانا بانا اسی مرکزی موضوع کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ مصنفہ نے ناول کے عنوان اور موضوع دونوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ بقول شمس الرحمٰن فاروقی:

''موضوع کے اعتبار سے یہ مجھے بالکل نیا ناول معلوم ہوا۔ گاؤں کے کسانوں کی مظلومیت، مقامی غنڈہ گردی اور سیاست اور حکومت کے جوڑ توڑ کو خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ناول کا پلاٹ اگرچہ مربوط ہے مگر بیان کی کمزوری، مکالموں کی تکرار اور مناظر کی یک رنگی اس کے فطری بہاؤ میں خارج ہوتے ہیں۔ لفظ گیٹ کو انہوں نے ہر جگہ مونث لکھا ہے بہتر ہے انہیں اگلی اشاعت میں درست کر لیا جائے۔ ان باتوں کو نظر انداز کر دیں تو ناول اچھا ہے دلچسپ یقیناً ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ یہ ایک نئے موضوع کو فکشن کے حلقے میں لاتا ہے۔''

(شب خون خبرنامہ، جنوری تا مارچ 2014ء ص 24)

قمر جمالی نے جو پلاٹ بنا ہے وہ مربوط اور منظم ہے۔ جس میں واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے میں پیوست معلوم ہوتی ہیں۔ ناول ایک بچے اور اس کی دادی سے شروع ہوتا ہے۔ دادی اس بچے کے ذہن پر پوری طرح سے چھائی ہوئی تھیں۔ جو انہیں اپنی جان سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اسی لیے گھر میں اس کو سب Grand Maa's Boy بلاتے تھے۔ دادی ایک معمول کے مطابق روز رات کو اپنے پوتے کو کہانی سناتی ہیں۔ دادی کی فلسفیانہ باتوں کو بچہ سمجھ نہیں پاتا۔ کم عمری کے فطری سوالات سے ناول کی شروعات ہوتی ہے۔ ناول کے ابتدائی جملے ملاحظہ کیجیے۔

''پھر۔۔۔۔۔

بوڑھے بابا نے اشرفیوں کا ایک توڑا اس لڑکے کے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا۔

''لڑکے۔۔۔! اصطبل سے جو گھوڑا اچھا ہو نکال لو''

اور.......

سرپٹ دوڑ نکلو یہاں سے۔'' (ناول آتش دان، ص 11)

ان سوالات کے جوابات شہباز خان (کلیدی کردار) تمام عمر تلاش کرتا ہے۔ قمر جمالی مرکزی کردار کے ذہن کی سطحیں ایسی پرت در پرت کھولتی ہیں کہ قاری مسحور ہو جاتا ہے اور یہی قاری کی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ کئی بار اصرار کرنے پر بھی دادی صرف یہی کہتی ہیں کہ ''بیٹا جن سوالوں کے جواب فوری نہیں ملتے۔ انہیں وقت پر چھوڑ دینا چاہیے۔'' دادی چاہتی تھیں کہ ان کا پوتا اپنے دادا کی طرح محکمہ مال گزاری میں افسر بنے اور سورج پور سے ہی اپنی ملازمت کا آغاز کرے کہ جہاں سے اس کے دادا نے اپنی ملازمت ہی نہیں زندگی ختم کی تھی۔ ظاہر ہے ان سوالات کے جوابات کسی کے پاس نہ تھے۔ شہباز خان کے اندر سوالات کا اب ایک آتش دان تھا۔ آتش دان دادی کے سلگتے ہوئے جذبے کا بھی استعارہ ہو سکتا ہے۔ دادی مسلسل ان سوالات کے آتش دان کو پوتے شہباز کے اندر جلائے رکھنا چاہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ قضا وقدر کے عام اصول کے تحت ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب دادی کا تخت خالی ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ جس آتش دان کو جلا گئی تھیں وہ اب اپنی آب وتاب دکھا رہا تھا:

''اس دوران۔۔۔۔

میں جوان ہو گیا۔

ماں بوڑھی ہو گئیں

اور۔۔۔۔۔

دادی کا تخت۔۔۔۔؟

خالی ہوگیا۔(ناول ''آتش دان'' ص33)

مصنف نے کس قدر بلیغ اشارے سے کام لیا ہے۔ دادی کے تخت کا خالی ہونا اشارہ ہے ایک تہذیب کا، ایک تاریخ کا، ایک سلطنت کا، ایک داستان کا، ایک ادارے کے ختم ہونے کا۔ پرانی نسل کو گزرنا ہے اور نئی نسل کو اس کی جگہ لینی ہے، یہی قدرت کا اصول ہے۔ بنیادی اور اہم بات تو یہ ہے کہ گزری ہوئی نسل نے آنے والی نسل کو کیا دیا؟ دادی کا گزرنا تو طے تھا، لیکن آتش دان کا دادی سے پوتے کو منتقل ہونا ضروری تھا، کیونکہ کوئی بھی مسئلہ کسی ایک نسل کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتا، آنے والی نسل کو بھی اس سے نبرد آزما ہونا ہی پڑتا ہے۔ اور یہی عام اصول حیات ہے۔

ہندوستان کی آج جو صورت حال ہے، خاص کر جو دیہی معاشرے ہیں وہاں پر دو طرح کا Pressure ہوتا ہے۔ ایک مقامی غنڈوں کا دوسرا سیاست دانوں کا۔ ناول کا مرکزی کردار شہباز خان سوالوں کا آتش دان لیے ہوئے ایک سرکاری عہدے دار کے طور پر سورج پور پہنچتا ہے۔ سورج پور میں راجیشور ریڈی چھایا ہوا ہے۔ جو اس ناول کا Anti Hero ہے۔ سورج پور کے تعلق سے پروفیسر علی احمد فاطمی لکھتے ہیں:

''اصل ناول کی شروعات سورج پور سے ہوتی ہے۔ بدنام ترین علاقہ جس پر ریڈیوں کا قبضہ ہے۔ ندی کا جھگڑا ہے اور آبی تنازعہ، طاقت کا کھیل ہے۔ ناطاقتی سر جھکائے ہوئے افسر سے کہہ رہی ہے ''آپ اس حق و ناحق کے چکر میں نہ ہی پڑیں تو بہتر ہے''۔ لیکن افسر یعنی پوتے کو اپنی دادی کا فرمان یاد ہے۔'' (سب رس، اگست 2014، ص15)

اب وقت اور حالات دونوں بدل چکے ہیں، صدر دالان کی جگہ Living Hall نے، دادا کی جگہ پوتے نے، شیونارائن ریڈی کی جگہ اس کے بیٹے راجیشور ریڈی نے لے لی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صورت حال اور وقت بدلنے کے ساتھ مسائل بھی بدل گئے ہیں؟ ایسا نہیں ہے مسائل تو وہی ہیں۔ شہباز کا پی۔ اے اس سے پوچھتا ہے کہ آپ کا مشن کیا ہے؟ آپ نے سورج پور اپنا تبادلہ کیوں کروایا ہے؟ جب کہ سورج پور ایک اچھی جگہ نہیں۔ یعنی پھر ایک بار برائی اچھائی کی راہ روکنے کے لئے تیار و آمادہ ہے۔ پی اے اس خطرے کا اظہار کررہا ہے، جو شہباز کو پیش آنے والا ہے۔ میر مدار ناول کا ایک بہت ہی اہم کردار ہے۔ اس میں ہمت، حوصلہ اور عزائم کی لہریں ہمیشہ مضطرب رہتی ہیں۔ جو انسانوں کو اور اس علاقے کو افسر سے زیادہ جانتا ہے۔ اس تحصیل کو Punishment Place کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''سرکار.....! میری مانئے۔ میں نے یونہی دھوپ میں اپنے بال سفید نہیں کئے۔
گستاخی معاف .... مگر میرا تجربہ آپ سے زیادہ ہے۔ عمر میں بھی آپ سے بڑا ہوں۔ آپ کا بھلا چاہتا ہوں آخر کیا رکھا ہے یہاں رہنے میں ....؟''

میر مدار کے مبہم جملے شہباز خان کو اپنے دادا درویش محمد خان کے بارے میں مزید کچھ اور جاننے کے لئے مجبور کردیتے ہیں۔ میر مدار بہت ہی جذباتی طریقے سے درویش محمد خان کے بارے میں کہتا ہے ''سرکار شیروں کے شیر تھے اور یاروں کے یار''۔ اسی سے شہباز کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آتش دان کی آگ میں صرف اسکے دادا درویش محمد خان ہی نہیں، سورج پور کی رعایا اور میر مدار کا بیٹا، بیٹی اور بیوی بھی جل کر بھسم ہو گئے۔ اچانک شہباز خان کے سامنے دادی کا چہرہ آجاتا ہے۔ دادی کی کہی ہوئی ادھوری کہانی شائد اب مکمل ہوجائے لیکن اب بھی بہت سے سوالات باقی ہیں:

''مجھے بتایئے سرکار.....؟ کون ہیں آپ ......؟
کیوں بار بار آگ میں دبی چنگاری کو کریدتے رہتے ہیں؟
''آگ صرف جلانے کے لیے نہیں ہوتی میر مدار.....''
''وہ آگ نہیں ..... آتش دان ہے .... آپ اس کو ہوا دینے کی کوشش نہ کریں ...... پھر سے بھڑک اٹھے گا .... کیونکہ
اس آتش دان سے ابھی کچھ چنگاریاں زندہ ہیں ابھی ...... میرے اندر .... ذرا سی کریدسے آتش دان بھڑک اٹھے گا۔'' (ناول آتش دان، ص92)

ناول کا یہ ایک اہم موڑ ہے۔ بقول عارف خورشید ''کہانی میں کئی جگہ ایسے موڑ آئے ہیں جہاں قمر جمالی اگر احتیاط سے کام نہ لیتیں تو کلائمیکس کھل جاتا اور وہاں کہانی کا دم نکل جاتا۔ کمال ہے وہ ایسے ہر موڑ سے بچ کر نکل گئیں۔'' قمر جمالی کے پاس تخلیقی نثر کی قوت موجود ہے اس ناول میں زندگی کا سراغ پانے کے لیے انہوں نے ماضی، حال اور مستقبل کی کڑیوں کو بہت ہی سلیقے سے پرویا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ۔

''زندگی کی رفتار کتنی نرالی ہے......!
جتنی خاموش .... اتنی ہی تیز گام......!!

(ناول آتش دان ص32)

سورج پور کے ان نوجوانوں نے جو شیو نارائن ریڈی کے ظلم کا شکار ہوئے تھے مل کر ایک تنظیم بنائی جس کا نام سورج پور والنٹیئر ز فورس یعنی SVF رکھا اور قسم کھائی کہ بغیر کسی خون خرابے کے راجیشور ریڈی جو شیو نارائن ریڈی کا بیٹا ہے، کو شکست دیں گے اور اپنے آبی ذخیرے کو سورج پور واپس لائیں گے۔ SVF کو ایک دہشت گرد تنظیم قرار دیا جاتا ہے۔ اس تنظیم نے افسر سے مل کر ایک تجویز رکھی کہ راجیشور ریڈی سے MLA کی کرسی چھین لی جائے۔ اور میر مدار کو الیکشن پر آمادہ کیا۔ عوام اور SVF تنظیم نے مل کر میر مدار کو جتا دیا۔ رتن پور کے غنڈے انتقام کی آگ میں شکست کا بدلہ لینے کے لیے حملہ آور ہوئے تو تنظیم نے نہ صرف میر مدار اور گاؤں والوں کی حفاظت کی بلکہ راجیشور ریڈی کا بھی قتل کر دیا۔

ناول میں منظر نگاری کے نمونے جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ منظر نگاری سے زمان و مکان کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ قمر جمالی نے منظر نگاری کے نقطۂ نظر سے بڑی کامیاب تصویریں پیش کی ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

''دسمبر کی ٹھٹھرا دینے والی سردی تھی۔ ٹھنڈ ہڈیوں میں پیوست ہونے لگی تھی۔ دادی کے حکم پر میں بستر پر لیٹ تو گیا مگر دوسرے ہی لمحے اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔

ایک اضطراب تھا۔

بے چینی تھی انجانی سی جو مجھے بستر پر لیٹنے سے روک رہی تھی۔ میں دادی کے پیچھے باہر جانا چاہتا تھا مگر سردی تھی کی سل لیے دروازے پر کھڑی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں دو قدم دروازے کی طرف بڑھا بھی۔۔۔ پھر لوٹ آیا۔

''اف رے سردی۔۔۔!!''

میرے دانت کٹکٹانے لگے۔'' (ناول آتش دان ص12)

اسلوب اور زبان و بیان کی سطح پر یہ ایک کامیاب ناول ہے۔ بقول ستنام سنگھ بندوی "محترمہ کا طرز اسلوب بے داغ ہے۔ بالخصوص لفظوں سے ان کا رشتہ بہت گہرا ہے۔ وہ لفظوں کو جینا اور جیلانے کا سلیقہ رکھتی ہیں۔ قمر جمالی دراصل لفظوں کی پارکھ ہیں۔" زبان و بیان پر قمر جمالی کو قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تشبیہات، استعارات اور محاورے وغیرہ کی کثیر تعداد ہے۔ اقتباس دیکھئے:

''میرا دل .... دل نہیں

یادوں کا قبرستان ہے۔'' (ناول آتش دان 37)

''صاحب انسپکشن کرنا اتنا ضروری تھا.... تو ہم سے کہتے۔ ارے کہہ کر تو دیکھتے ....! ہم جنگل میں منگل کروا دیتے۔''

(ناول آتش دان 76)

''سرکار.....! میری مائیے۔ میں نے یوں ہی دھوپ میں اپنے بال سفید نہیں کیے۔'' (ناول آتش دان 80)

آتش دان زندگی کے رزمیہ کو ہی نہیں بلکہ رزمیہ کے ساتھ ایک نظریہ اور فلسفہ بھی پیش کرتا ہے۔ فلسفۂ حیات کے بغیر کوئی بھی فن پارہ ادھورا اور بے روح سمجھا جاتا ہے۔ لارنس کے مطابق "فکشن جب تک فلسفہ نہ بن جائے بڑا فکشن کہے جانے کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔" ہر کسی کا اپنا الگ الگ نظریہ حیات ہوتا ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق اپنے اصول متعین کرتا ہے۔ قمر جمالی نے فلسفۂ حیات کی عمدہ مثال پیش کی ہے۔

''دل کو اتنا بھی بڑا نہیں ہونا چاہیے کہ سینے کا صندوق چھوٹا پڑے۔''

(ناول آتش دان 46)

''دراصل یہ انتظار ہی انسان کے اندر جینے کی خواہش Infuse کرتا ہے اگرچہ بذات خود بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔'' (ناول آتش دان 99)

اردو ناول نگاری کی تاریخ میں اب تک تکنیک کی سطح پر بہت سارے تجربے ہو چکے ہیں۔ اس ناول میں تکنیک کی سطح پر کوئی نیا تجربہ نہیں پیش کیا گیا ہے۔ زیادہ تر بیانیہ کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کہیں کہیں فلیش بیک، خود کلامی، شعور کی رو، وغیرہ جیسی تکنیکوں کا استعمال ہوا ہے۔ خود کلامی کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''ایک طرف ۔۔۔۔۔ میرا مقصد ۔۔۔۔۔۔۔ سورج پور کی مظلوم رعایا،

اور ۔۔۔۔۔

دوسری طرف ۔۔۔۔۔ سیاسی بالا دستیاں،

حالات کہہ رہے تھے بھاگ نکلو یہاں سے۔ مزید براں کہ میر مدار کے دہشت بھرے قصے کہ کیسے ریڈی برادران نے ظلم کی انتہا کر دی۔ میں شاید اندر ہی اندر بہت خوف زدہ تھا۔ ڈر گیا تھا میں، کمزور پڑ گیا تھا میں۔''

(ناول آتش دان ص84)

قمر جمالی بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ افسانے سے جست لگاتے ہوئے انہوں نے زیر بحث ناول آتش دان تحریر کیا ہے۔ آتش دان ترقی پسند علامتی اور استعاراتی ناول ہے اور یہ ان کی پہلی کوشش ہے۔ اس کے باوجود وہ ناول کے فن سے پوری طرح واقف نظر آتی ہیں۔ آتش دان

صاف اور عام زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول میں انگریزی الفاظ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے اسلوب اظہار کی روانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ان الفاظ کا استعمال انہوں نے موقع و محل کے اعتبار سے کیا ہے جو پڑھنے اور سننے میں بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ مصنف نے ایک چھوٹے سے دیہات کے ذریعہ ہندوستان کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ آتش دان دراصل ایک صاف ستھری افسر شاہی اور اچھے سماج کا خواب ہے۔ شہباز خان اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ جو بہت ہی ایمان دار اور مذہبی ہے۔ اس کے یہاں فکری اور اظہاری صورتیں زیادہ اور عملی کم ہیں۔ وہ ''یقیں محکم ۔۔۔ عمل پیہم ۔۔۔'' کی روش کا قائل ضرور ہے لیکن عملی سطح پر کسی قدر پس و پیش کا شکار نظر آتا ہے۔ شہباز خان کے علاوہ میر مدار، راجیشور ریڈی اور میر مدار کا بیٹا ہے جو SVF کا کارکن ہے۔ ناول میں راجیشور ریڈی کو جتنا خوفناک دکھایا گیا ہے وہ ناول سے اتنا ہی غائب بھی نظر آتا ہے۔ میر مدار کا بیٹا ایک عمدہ کردار بن سکتا تھا، لیکن مصنف کا سارا زور قلم شہباز خان پر ہوتا ہے اور آج کے معاشرے کی یہی حقیقت ہے۔ مصنف نے مکالمہ نگاری میں بھی اپنی فنکارانہ صلاحیت کا اچھا مظاہرہ کیا ہے اور کردار کی زبان سے ایسے ہی مکالمے ادا کروائے ہیں جو بالکل فطری معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ منظر نگاری، جذبات نگاری اور جزئیات نگاری کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔ زبان و بیان پر بے پناہ مہارت حاصل ہے۔ ان کا اسلوب بیان کافی سادہ اور سلیس ہے جو ناول کی کشش کو قائم رکھتا ہے۔ مجموعی طور پر موضوع، پلاٹ، کردار، مکالمہ، جذبات نگاری، اسلوب و طرز ادا، فضا سازی، تکنیک وغیرہ کے نقطۂ نظر سے ناول ''آتش دان'' اکیسویں صدی کا ایک بہترین ترقی پسند ناول کہلانے کا مستحق ہے۔

Jabir Hamza
Research Scholar
Room No. 8
Department of Urdu
MANUU, Gachibowli, Hyderbad- 500032
(Telangana)

فرہنگ آصفیہ

آفتابہ۔ف۔ اسم مذکر۔ اصل میں (آب۔تابہ) تھا۔ پہلوی (آفتادہ) ژ (آفتادہ) عوام (استادہ)۔ (فرہنگ نویس اس سیدھی بات کے بیان کرنے میں کہیں کے کہیں چلے گئے ہیں۔ کوئی آفتاب سے منسوب کرتا ہے کوئی گولائی سے اس کے معنی نکالتا ہے۔ کوئی چلمچی بتاتا ہے حالانکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ زبان فارسی میں بائے موحدہ اور خائے معجمہ کا باہم بدل ہوتا ہے۔ چنانچہ زبان اور زفان۔ بلو گفت فا او گفت۔ زبانہ اور زفانہ آیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہوا ہے اور نیز آفتابہ میں دستی لگانا اور اس کے اوپر سرپوش کا ہونا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ گرم پانی کا لوٹا ہے پھر جو اٹھے نہیں وقت میں ڈالیں تو کیا فائدہ؟)

( ) ایک قسم کا لوٹا ہوتا ہے جس کے پیچھے ہاتھ کے بچاؤ کے واسطے دستی لگی ہوتی ہوتی ہے اور اس کے منہ پر سرپوش ہوتا ہے اس میں گرم پانی لیکر منہ ہاتھ دھوتے یا دھلاتے ہیں۔ گنگا ساگر

ماہِ کامل ہے ترے منہ دھونے کی سیلا بچی
آفتاب اے ماہِ تاباں آفتابہ ہو گیا (ناسخ)

منہ جو تو دھونے لگا وقتِ سحر اے رشکِ مہر
صاف سونے کا ہر لگن آفتابہ ہو گیا (شہیدی)

منہ دھونے اس کے آتا تو ہے اکثر آفتاب
کھاوے گا آفتابہ کوئی عور سر آفتاب (میر تقی)

منہ دھونے وقت اسکے اکثر دکھائی دے ہے
خورشید لے رہا ہے اک روز آفتابہ (میر تقی)

آفتابی۔ف۔ اسم مؤنث ( ) سورج مکھی۔ ڈھال۔ ایک دائرہ سا بنا ہوا ہوتا ہے جو بادشاہوں کے جلوس میں ماہی مراتب کے ساتھ چلتا ہے اور بادشاہوں کے سر پر اس کا سایہ بھی مثل چھتر پڑتا ہے۔ اور کبھی پان کی شکل پر مثلثی بھی بنائی جاتی ہے ۔( ) آفتاب پرست۔ شمس۔ شماسی ( ) ایک قسم کی آتشبازی ہوتی ہے جس میں شورہ۔ گندک۔ انار، انی مک وغیرہ بھر کر قلمیں سی بنا لیتے ہیں ( ) وہ چھتری جو صرف دھوپ سے بچائے بارش سے پناہ نہ دے (۔صفت) گول۔ مدور۔ گول مول۔ دائرہ۔ چکر۔ جیسے آفتابی چہرہ آفتابی دائرہ۔

تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گل سرسبد
شہزادی زیب النساء بیگم

عبدالعزیز عرفان

درنہاں خو یم ظاہر کردرنگ تازہ ایم
رنگ من اندرنہاں چوں رنگ سرخ اندرحناست
دختر شاہم ولیکن روبفقر آوردہ ام
زیب وزینت سوختم ونام من زیب النساء ست

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی دختر نیک اختر کا نام زیب النساء بیگم تھا ورس بانو کے بطن سے پیدا ہوئیں بادشاہ شاہجہاں نے نومولود کا نام زیب النساء رکھا۔ شہزادی کی ولادت قلعہ دولت آباد اورنگ آباد مہاراشٹر میں ہوئی تاریخ پیدائش اور وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مورخین کی اکثریت دہم شوال 1048ھ اور وفات 1114ھ تسلیم کرتی ہے۔ مصنف مآثر عالمگیری نے یہی تاریخ لکھی ہے محمد صالح کمبوہ عمل صالح جلد دوم میں تاریخ پیدائش پنج شنبہ 10 رشوال 1047ھ لکھتا ہے۔

شہزادی کی تعلیم وتربیت بھی شاہی افراد کی طرح ہوئی مآثر عالم گیری کے مطابق حافظہ مریم کی شاگردی میں قران پاک حفظ کیا جسکی خوشی میں اورنگ زیب نے حافظہ مریم کوتیس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں اور حافظ قران دختر زیب النساء کوتیس ہزار اشرفیاں انعام دیں۔ بعدازاں ملا اشرف محمد سعید اشرف ماژندانی (ایران) جوملا اشرف محمد صالح کمبوہ کے فرزند تھے۔ زیب النساء کے استاد مقرر ہوئے۔ ملا اشرف تقریباً چودہ (14) برس تک شہزادی کے تعلیم کے سلسلہ میں مصروف رہے ان سے عربی فارسی، علم فقہ، علم حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اس دوران شہزادی نے موصوف سے علوم حاضرہ میں دستگاہ کامل حاصل کی اسی دوران زیب النساء میں شاعرانہ ذوق پیدا ہوا، ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ میں عزیز اللہ خاں، حاجی عبدالواسع بن حاجی محمد جاں قدسی اور مرزا خلیل کا نام بھی آتا ہے۔

سید صباح الدین عبدالرحمن اپنی تصنیف بزم تیموریہ (جلد سوم) میں لکھتے ہیں: محمد سعید اشرف ماژندانی زیب النساء کی عمر کے اکیسویں سال میں درسی کتب کے علاوہ فقہ، علم حدیث کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے۔ زیب النساء نے شاعری میں بھی ان ہی سے اصلاح لی۔ اس نے علم کی تکمیل کے لیے فن خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا۔ مآثر عالم گیری کا مؤلف رقم طراز ہے کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ نستعلیق اور شکستہ نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی (مآثر عالمگیری ص394)

مخزن الغرائب کے مؤلف نے کتاب زیب المنشات کا حوالہ بھی دیا ہے یہ کتاب زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا اس کے علاوہ زیب النساء کے نام ایک مرقع بھی منسوب ہے جس میں قطعات، مشہور کاتبوں اور خطاطوں کے کمالات کے نمونے، ماہر نقاشوں اور مصوروں کی بنائی ہوئی انواع واقسام کی تصویریں تھیں۔ یہ مرقع ناپید ہے اس کا دیباچہ ملا رضا اللہ اشرف نے لکھا تھا خدابخش خان لائبریری میں موجود ہے یہ دیباچہ ملی جلی نظم ونثر میں لکھا گیا ہے۔ اس سے زیب النساء کی علمی مجالس میں نظم ونثر، صرف ونحو، ہندسہ ونجوم، معانی وبیان ہیئت وردیا پر علماء فضلا جمع ہوکر بحث ومباحثہ اور تحقیق وتفتیش کرتے تھے لکھتا ہے

نہاں بود آنچہ در آثار قدرت — بفعل آوردہ دست او ز قوت
گہے تفتیش علم صرف می شد — گہے تفتیش علم صرف می شد
گہے در مجلش گہے از نحو مذکور — ز مرفوع و ز منصوب و ز مجرور
گہے از ہندسہ می کرد تعداد — ز قد خط و سطح و جسم وابعاد
گہے می رفت حرف از علم تنجیم — ز اسطرلاب و استخراج وتقویم
گہ از علم معانی بود گفتار — ز استاد و ز مسند باخبر دار
گہ از آثار علوی یادمی کرد — حدیث ابروبرق وبادمی کرد

شداز علم مرایا بس کہ آگاہ   بذات شخص بروازسایہ اش راہ

اسی دیباچہ سے زیب النساء کی طب روحانی حاذق میں ہونے اور علم موسیقی سے واقفیت کا علم ہوتا ہے۔

بعلم طب روحانیہ حاذق   بہ تہذیب است اخلاقش موافق
زموسیقی وازالحانش آگاہ   بگوش استماعش لیک اکررہ

آگے بیگم کی انشاپردازی اور علمی کمال کے بارے میں رقمطراز ہے۔

بلفظ مختصر معنی مطول   عبارت مجمل و معنی مفصل
بعلم اولی تراز ہرچیز واقی   نہ در اعمال گجد حرف ثانی
سخن فہم و سخن سنج وسخن دان   سخن ورانہ سنجد جز بمیزان

(پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ نے مرقع کی نقل رسالہ شمع آگرہ بابت ماہ دسمبر 1925 میں شائع کی تھی) شعروشاعری کی زبان کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر میں بھی بیگم کی انشاء، خوش نویسی اور شاعری کا ذکر شان دار اور باوقار الفاظ کے ساتھ کرتا ہے مورخین اور تذکرہ نویس بھی اس کی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان میں رطب اللسان ہیں۔ مآثر عالم گیری میں ہے کہ علماء وفضلا اور خوش نویسوں کی بڑی تعداد زیب النساء کی سرکار سے فیض یاب ہوئی تھی۔ (ص۔394)۔ غلام علی آزاد ید بیضاء میں لکھتے ہیں: ''ہمت بہ ترقیہ حال ارباب فضل وکمال مصروف می داشتہ وجماعت کثیر از علماء وشعراء ومنشیان وخوش نویساں بہ سایہ قدردانی او آسودہ بودو کتب ورسائل بسیار بہ نام اوربست تالیف پذیرفتہ۔'' (ید بیضاء قلمی نسخہ، کتب خانہ دارالمصنفین) بقول مولانا شبلی زیب النساء کا دربار حقیقت میں ایک اکادمی (بیت العلوم) تھی۔ اس بیت العلوم میں ہرفن کے علماء وفضلا نوکر تھے۔ جو ہمیشہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے تھے۔ کتابوں کے نام زیب سے رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ مآثر عالمگیری کا مصنف بیان کرتا ہے کہ ملا صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تو اس کا نام زیب التفاسیر رکھا جس کا پانچواں حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے یہ حصہ 616 صفحات پر مشتمل ہے اور خاتمہ کی تاریخ 1081ھ مرقوم ہے۔ فہرست نگار کا خیال ہے کہ یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام Wisdom of the East Series ہے جس میں زیب النساء کی اول پچاس فارسی غزلوں کا انگریزی ترجمہ مکن اور ڈنکن ویسٹ نے کیا ہے انگریزی خاتون ڈنکن ویسٹ بروکی نے مقدمہ لکھا ہے۔ لیکن اس میں زیب النساء کے معاشقہ اور دوسرے ناپسندیدہ واقعات درج ہیں۔ اگرچہ اس کی تردید مورخ سرجادوناتھ سرکار نے اپنے مضمون Studies in Mughal India, Page 79-90 میں کی ہے ساتھ ہی مولانا شبلی نے اپنے مضمون زیب النساء میں کردی ہے۔ (مقالات شبلیؒ۔ جلد پنجم 117۔104) ملاحظہ ہو اور پنجل پبلک لائبریری کیٹلاگ جلد سوم 51۔50 پروفیسر محفوظ الحق صاحب کا مضمون ''زیب النساء اور دیوان مخفی'' (معارف نمبر ۵ جلد ۱۱) بیگم کے دیوان مخفی کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اسے زیب النساء کا دیوان نہیں کہا جاسکتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق presidency college culcutta نے معارف نمبر ۵ جلد ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ دیوان مخفی دراصل مخفی رشتی کا دیوان ہے جسکا وطن باسطرخ تھا وہ شاہجہاں کے عہد میں خراسان سے ہندوستان آیا۔ چونکہ شاہی دربار میں اسکی رسائی نہ ہوسکی اسلئے اس کا کلام اوروں کی طرح مشہور نہ ہوسکا اور ایک حد تک مخفی مگر محفوظ رہا۔ اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفوں کے ہاتھ لگا اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر غالباً محض مخفی کی رعایت کی بناء پر بیگم کی جانب منسوب کردیا لیکن صاحب موصوف نے شواہد پیش نہیں کئے کہ کن وجوہات کی بناء پر اس بات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ زیب النساء بیگم کا دیوان نہیں ہے؟ مخفی رشتی کا دیوان ہے تو کب اور کیسے دوسروں تک پہنچا اور شائع ہوا قارئین نام اور مقدمہ بھی نظر نواز ہوتا ہے اس طرح کے بہت سے سوالات بھی ذہن میں گردش کرتے ہیں۔

''مصنف حیات زیب النساء بیگم اپنی تصنیف میں زیب النساء کی تصانیف اور دیوان مخفی کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں: منشی محمد دین خلیق لاہور (مترجم پیسہ اخبار) نے منشی محمد عبدالعزیز منیجر پیسہ اخبار لاہور کی ایماء پر 1900 میں دوسری بار حیات زیب النساء شائع کیا۔ اس تعلق سے تحریر کرتے ہیں۔

(1)1135ھ زیب النساء کا کلام جمع کیا اور دیوان مخفی نام رکھا اس میں ۴۲۱ رغزلیں اور چند رباعیات تھیں۔

(2)1141ھ میں 40 سے زیادہ غزلیں ملیں اور دیوان شائع کیا۔ مولف نے بہت سے نسخے دیکھے۔ پہلا نسخہ مولوی حسن علی اکبرآبادی کا لکھا ہوا ہے خاتمہ پر ۱۱۴۸ھ درج ہے۔

(3) دوسرا نسخہ خط نسخ میں ہے کاتب کا نام 'خاں بیگ'

(4) تیسرا نسخہ مسٹر مور کے پاس ہے انھیں کابل میں دستیاب ہوا اور یہ 1800 کا ہے۔

(5) ایک نسخہ رحیم بخش سے ملا جو 1860 کا تحریر کردہ ہے۔

(6) یہ نسخہ سید بہادر شاہ صاحب سوداگر عجائبات کے پاس سے ملا

کاتب کا نام حسن علی ہے۔

(7) یہ نسخہ پنجاب لائبریری میں دیکھا گیا یہ 1212ھ کا تحریر کردہ ہے۔ مصنف حیات زیب النساء کے دو نسخے نظر نواز کیے: پہلا نسخہ مولوی پارس علی خلق جو 1315ھ کا تحریر کردہ ہے دوسرا نسخہ مطبع منشی نول کشور لکھنو 1348ھ مطابق 1929 کا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے بھی حیات زیب النساء 1934 میں لکھی جو انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے شائع ہوئی اسی طرح 1944 میں شاعرات اردو کے تحت محمد احمد بریلوی صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی اس میں بھی مختصر حالات ہیں۔ صادق سرو ہندوی کنہیا لال کی 'تاریخ لاہور' وغیرہ کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔

زیب النساء کے دربار کے شعر و شاعری کے اسی چرچے کی بناء پر مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ عالم گیر کی خشک مزاجی سے شاعری اور شعراء کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی تلافی زیب النساء کے حسن مذاق سے ہوگئی تھی۔ اس سے چند سوالات ذہن میں گردش کرتے ہیں ان پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔

1۔ جبکہ زیب النساء کے ہم عصر شعراء اور اساتذہ کرام بیگم کو شاعری کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

2۔ شہزادی کو سخن فہم، سخن اور شاعرہ تسلیم کرتے ہیں۔ ذوق شعری کی بھی داد دیتے ہیں۔

3۔ بیگم کے خطوط واقعات اور قطعات بھی کافی مہارت رکھتے ہیں، پھر ان کا کلام اور مرقع کہاں غائب ہوا؟ صرف ایک بیاض کے پانی گرنے سے کلام ضائع ہوگیا۔ ملا سعید اشرف مازندانی کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاصہ شاہی جوتی کی وجہ سے ٹھوکر لگی اور بیاض پانی میں گرگئی۔ محترم نے زیب النساء سے تحریر کردہ نظم پیش کی تاکہ ارادت کو معاف کیا جائے۔

اے ادا فہمی کہ پشت فاضلاں عصررا
شستن مجموعہ اندیشہ باب افتادہ است
آں بیاض خاصہ شاہی کہ دراطراف آں
جائے افشاں نقطہائے انتخاب افتادہ است
آں مرصع خواں گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر
درالفاظش بسے بہ آب و تاب افتادہ است
دوش از دست ارادت فہم خاکم دردہن
چوں بیاض سینہ ماہی در آب افتادہ است

نوٹ: یہ اشعار مقالات شبلی حصہ پنجم مآثر الکرام از غلام علی بلگرامی

میں بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

اس میں کفش کا استعمال ہوا ہے۔ کفش یعنی جوتی۔ جوتی لباس تحمل ہونے سے ٹھوکر لگی اور پانی کے چشمہ کی نذر ہوگئی۔

4۔ یہ واقعہ کب ہوا؟ ملا سعید نے زیب النساء کی خدمت میں معذرت نامہ کب تحریر کیا؟ یہ واقعہ ملا سعید وطن لوٹنے سے قبل کا واقعہ ہے؟

5۔ کہا جاتا ہے کہ اکیس سال کی عمر میں زیب کے لیے مقرر ہوئے اور تقریباً چودہ سال تک استادی میں رہے۔ یعنی اس وقت زیب النساء کی عمر 35 سال ہوگئی۔ جب بیاض ضائع ہوئی۔ بقیہ عمر کا کلام بحفاظت ہوگا؟

6۔ دوسرے مخفی وشتی (خراسان) کا دیوان لوگوں کے پاس کیسے پہنچا؟ جبکہ وہ معروف نہیں تھا شاہی دربار میں بھی رسائی نہیں تھی؟ وہ ان لوگوں کو اپنا دیوان دے کر کیسے چلا گیا؟ ان سوالات پر بھی غور کرنا ضروری ہے؟

خلاصہ کلام یہ کہ شہزادی ایک اچھی شاعرہ تھی ضائع شدہ بیاض کو سارا کلام سمجھنا مناسب نہیں، بیاض ضائع ہونے کا واقعہ استاد ملا سعید کی استادی کا ہے۔ موصوف زیب النساء کی عمر کے اکیس 21 ویں سال استاد مقرر ہوئے اور چودہ (14) سال کی استادی کے بعد رخصت ہوئے اسطرح کل 35 سال کی عمر سے قبل کا واقعہ ہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ بقیہ تیس سالہ زندگی کا ادبی سرمایہ (کلام) تو محفوظ رہے ہوگا؟ یہ تیس سالہ عہد بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ دیوان مخفی کو تسلیم کرتا ہے صحیح ہے (اس دور کے تاثرات و مشاہدات بھی اہم ہیں شہزادی کی نظر بندی تقریباً چار سال رہی) بلکہ مرقع کا دیباچہ نگار شاعری کی تعریف میں اسطرح رطب اللسان ہے انکے کلام کی خصوصیت پر نظر رکھتا ہے۔ نظم و نثر تعلقش آنچہ گفتہ درسفتہ گوہر بادی سفتہ

زبان فارسی کی طرح زیب النساء بیگم کی اردو شاعری کے متعلق بھی آگاہی ہوتی ہے ایک یورپین دانشور موسیو گارسن دتاسی، کے مطابق شہادت دیتا ہے کہ "میں نے زیب النساء کی اردو نظمیں دیکھی اور پڑھی ہیں۔" اسی طرح 'جلوہ خضر' اپنے تذکرے میں رقمطراز ہے کہ ایک پرانی بیاض میں شہزادی کے اردو شعر ہماری نظر سے گذرے ہیں۔" نواب سید نصیر الدین حسین خان اپنی کتاب "مغل دور اردو میں" زیب النساء کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ شہزادی مخفی تخلص کرتی تھی اور فارسی میں اپنے جذبات دہرائی تھی۔

(حیات زیب النساء بیگم از آغا مرزا بیگ اورنگ آباد مہاراشٹر۔ ص۔ 620)

جناب نذیر فتح پوری دیوبندی نے اپنے مضمون میں جوہر دیوبندی کی کتاب 'نغمہ ناقوس' کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی

دختر زیب النساء بیگم فارسی کی شاعرہ تھی اور اردو کے چند اشعار بھی تحریر کیے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسی کے تئیں دوست سے ،جدا نہ کرے
صنم جو تجھ سے ہوا آشنا سوچی سے گیا
خدا کسی کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے

(سہ ماہی اسباق پونا اکتوبر 2010 مارچ 2011)

زیب النساء کی حاضر جوابی: زیب النساء بیگم تعلیم سے بہرور ہونے کے ساتھ اعلیٰ ذہانت وفطانت کی مالک تھیں شاعری اور واقعات کے مطالعہ سے شہزادی کی صلاحیت وذہانت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے محترمہ کی حاضر جوابی اور برجستہ شعر گوئی کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ ایران نے فارسی شعراء کی طبع آزمائی کے لیے مصرعہ اولیٰ دیا جس پر انعام رکھا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دربار میں شاہ ایران کی طرف سے قاصد آیا بادشاہ نے اپنی بیٹی کو مصرعہ اولیٰ سنایا اور کہا کہ تم بھی کوشش کرو۔ درابلق، کسے کم دیدہ موجود، زیب النساء ایک روز آئینہ میں کے سامنے بیٹھی تھی سرمہ لگایا بھی تھا کہ اچانک آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا زیب النساء کو مصرعہ ثانی یاد آیا فوراً کہا ”مگر اشک بتاں سرمہ آلود۔ شاہ ایران کے دربار میں بھی شعراء کے مصرعہ ثانی سنائے گئے کوئی مصرعہ پسند نہیں آیا زیب النساء نے بھی شعر مکمل کر کے بھیجا تھا نام تحریر نہیں کیا تھا اس شعر کو پڑھ کر شاہ ایران بہت خوش ہوا اور شاعر کو اعزاز کے لیے مدعو کیا زیب النساء نے جواباً شاہ ایران کو ایک شعر لکھ کر بھیجا۔

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ خواہی میل دار دورسخن بیند مرا

اپنے کلام میں پوشیدہ ہوں جسطرح پھول کی خوشبو پھول کے پتے میں ہوتی ہے۔ جو کوئی مجھ سے ملنا چاہے میرا کلام دیکھ لے۔)

(2) ایک مرتبہ شعراء کی طبع آزمائی کے لیے ایک مصرعہ دیا گیا تھا ”از ہم نمی شود زحلاوت جدا لبم“ اس پر ناصر علی ہندی نے مصرعہ ثانی کیا ””گویا رسید برلب زیب النساء لبم“

کہا جاتا ہے کہ زیب النساء کو غصہ آیا اور ناصر علی کو لکھ بھیجا کی تم غلام ہو اور ہماری پناہ میں ہو ورنہ ذوالفقار غلام سے سرجدا ہو جاتا تھا

ناصر علی بنام علی بردہ وپناہ
ورنہ ذوالفقار علی سر بریدست

آخر کار اسی وجہ سے ناصر علی کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اس طرح کی باتوں سے شہزادی پر کیچڑ اچھالا گیا ناصر علی خاں اور عاقل خان رازی کا فرضی تعشق دکھایا گیا یورپین مورخین نے بھی اس جانب انگشت نمائی کی ہے جبکہ شاہی محلات اور ان کا انتظام بہت سخت تھا بادشاہ اورنگ زیب خود ملاقات کی اطلاع دیتے تھے۔ گلبدن بیگم ہمایوں نامہ میں لکھتی ہیں۔ حرم کے اندر جملہ مکین محل کے مخصوط جداگانہ حصوں میں رہتے تھے۔ ان کی دیکھ بھال اور خدمت کے لیے بھروسہ کی لونڈیاں اور خواجہ سرا نیز متعدد مرد اور ملازم خواتین اور غلام مقرر ہوتے تھے (ص 18)

حرم کی اندرونی دیکھ بھال کی ذمہ داری حاکمہ کی اور بیرونی خواجہ سرا کی تھی خواجہ سرا کا عہدہ بہت بھروسے اور ذمہ داری کا تصور کیا جاتا تھا رات کو زنانہ نگراں پوری عمارت اور اس کے اندر رہنے والے مکینوں کی حفاظت کی ذمہ دار تھی خواجہ سرا اپنے عملے کے ساتھ دروازے پر تعینات رہتا تھا اور وفادار راجپوت سپاہی عمارت کے گرد گردش کرتے رہتے تھے

(آئین اکبر جلد اول (ص:40)

(ہندوستان معاشرہ عہد وسطیٰ میں۔ کنور محمد اشرف مترجم: قمر الدین۔)

مغلیہ شہزادیوں کا علمی چمنستان کا گوہر پائے سفتہ 1702 میں داخل گلزار رضوان ہوا بادشاہ ،اورنگ زیب کے حکم سے اسے تیس ہزاری باغ دہلی میں دفن کیا گیا تھا دوسری جماعت نواں کوٹ لاہور میں مقبرہ زیب النساء کو تسلیم کرتی ہے جو بالکل غلط ہے بادشاہ اورنگ زیب ان دنوں دکن کے معرکوں میں مصروف تھا مآثر عالمگیر کا مصنف جو عالمگیر کا معاصر مورخ تھا 1702 کے واقعات میں وفات کی خبر لکھتا ہے مرزا سنگین بیگ اپنی کتاب سیدالمنازل میں لکھتا ہے۔ کابلی دروازہ کے باہر شارع عام پر تکیہ بھولو شاہ فقیر کے شمال کی جانب زیب النساء کا مقبرہ اور لال پتھر کی مسجد ہے۔ اس عمارت کی ایک دیوار پر خط ثلث میں یہ عبارت کندہ تھی:

كل من عليها فان هذا مر قدالبنت الكبرى للعبدى المذنب العاصى المغفور برحمة الرحيم الكريمه الحافظة زيب النساء المرجو من عبادالله الصالحين ان يدعو العابالغرفران والرضوان وتاريخ فرتها قوله سبحانه وادخلى جنتى 1114ھ مطابق 1702ء

سرسید احمد خاں نے اپنی مشہور کتاب آثار الصنادید 1853 میں تصنیف کی اس کے صفحات 77643 کے مطالعہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ 1885 میں جب راجپوتانہ ریلوے تعمیر ہوئی تو یہ مقبرہ مسمار کر دیا گیا چنانچہ مسٹر بیل لکھتا ہے کہ زیب النساء کا مزار کابلی

دروازہ کے پاس دہلی میں تھا۔ لیکن راجپوتانہ ریلوے بناتے وقت اسے منہدم کر دیا گیا۔

ذیل میں زیب النساء کی قبر کے عنوان سے ایک نظم پیش کی جاتی ہے جو مہاراج بہادر برق دہلوی نے آج سے چالیس سال قبل اس وقت کہی تھی جب محکمہ آثار قدیمہ نے خاک کے تودوں کو ہٹا کر زیب النساء کی قبر برآمد کی تھی۔

زیب النساء کی قبر جو تھی خاک میں نہاں
صدیوں کے بعد اس کا ملا گم شدہ نشاں
مشہور ہے جو تیس ہزاری کے نام سے
تھا گنج بے بہا اسی میدان میں نہاں
شاید پس فنا یہ تخلیص کا تھا اثر
مخفی کی قبر بھی جو تھا میں رہی نہاں
گنبد ہے مقبرہ ہے نہ لوح مزار ہے
تعویز قبر کا بھی ہے تھا ہوا نشاں
نے شمع ہے نہ چادر گل ہے نہ قبر پوش
مٹی کا ایک ڈھیر ہے عبرت کی داستاں
اڑتی ہے خاک اور برستی ہے تیرگی
چھایا ہوا ہے حسرت واندوہ کا سماں
روتی ہے بے کسی سرہانے کھڑی ہوئی
تربت پہ کسمپرسی کا عالم ہے نوحہ خواں
جو دخت ماہوش شہ ہندوستان کی تھی
تھا مصدر سخا و کرم جس کا آستاں
روشن چراغ بزم سخن جس کے دم سے تھا
مشہور تھی جو شاعرہ فیض ترجماں
وہ آج غرق خوں ہیں جو گل محو ناز تھے
وہ آج سرنگوں ہیں جو گل سرفراز تھے

مرتب نقش لاہور

مختصر یہ کہ شہزادی زیب النساء مندرجہ ذیل گوناگوں خصوصیات کی حامل تھیں وہ واقعی بہت ذہین، باشعور، علم پرور، علم شناس، ادب نواز، اور حاضر جواب خاتون اور ایک اچھی شاعرہ تھی یہی وجہ ہے مغلیہ شہزادیوں میں ان کا شمار سرفہرست ہوتا ہے۔

Dr. Abdul Aziz Irfan
Opp. Maulana Azad College
Dr. Zakariya Road National Colony
Plot No. 34
Aurangabad-431001

فرہنگ آصفیہ

امام ضامن ۔ ع۔ اسم مذکر۔ یہ حضرت سیدنا علی رضا بن موسیٰ الکاظم کا جو آٹھویں امام ہیں عرف ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو امام ثامن بھی کہتے ہیں آپ ایک سو اڑتالیس ہجری میں بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور القاب رضا۔ صابر۔ زکی۔ دولی ہے آپ خلفائے عباسی میں سے خلیفہ مامون بن ہارون رشید کے زمانہ میں موجود تھے۔ خلیفہ مذکور نے اپنی ایک خاص منت پوری ہو جانے کے سبب اپنا خلیفہ قرار دیکر اپنی بیٹی مسماتہ ام حبیب سے ۲۰۲ھ میں نکاح کر دیا تھا۔ کیونکہ اسی زمانہ میں خلیفہ وقت نے کربلائے معلیٰ جانے کی سخت پابندیاں بمنزل ممانعت کر دی تھیں پس آپ وہاں جانے والوں کے کفیل و ضامن ہو جایا کرتے تھے۔ تاکہ زائرین ثواب زیارت سے محروم نہ رہیں پس اس وجہ سے آپ کو امام ضامن کہنے لگے۔ تاریخ الائمہ ایک امامیہ مذہب کی کتاب میں درج ہے کہ آپ جس طرح خلق اللہ کی بخشش کے ضامن ہیں اسی طرح حیوانات کے بھی بعض اوقات صیادوں سے ضامن ہو گئے ہیں۔ چنانچہ کتاب مذکورہ میں آہو و صیاد وغیرہ کا قصہ لکھ کر اس امر کی تصدیق کی ہے۔ لہٰذا بوجوہ بالا مستورات اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہو گیا ہے کہ جب کوئی سفر کو سدھارے یا کہیں بیاہ خواہ منگنی ٹھہرائی جائے اور امام صاحب کے نام کا روپیہ پیسہ خواہ اشرفی یا کوئی سکہ بازو پر باندھا جائے تو آپ مراد پر پہنچانے کے ضامن ہو جاتے ہیں۔ جس وقت مسافر منزل مقصود پر پہنچتا یا وہ کام ہو جاتا ہے تو اس رقم کو سیدوں پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ غرض آپ ۔ برس زندہ رہے اور آخر صفر ۲۰۳ھ میں زہریلے انگوروں کے از جانب خلیفہ کھلائے جانے سے رحلت فرمائے عالم قدس ہوئے۔ اس موت کی آپ نے پہلے سے پیشین گوئی کر دی تھی۔ آپ کا مزار پر انوار شہر طوس واقع خراسان متصل قبر ہارون رشید ہے۔

قانون میں خواتین

گذشتہ سے پیوستہ

خواتین کے خلاف خانگی تشدد کے خاتمے کا قانون

خواجہ عبدالمنتقم

جسمانی مظالم

جہیز، گھریلو تشدد، طلاق، تنسیخ ازدواج میں قانون کی رو سے شوہر کا وہ کردار ایک قانونی بے رحمی ہے جو عورت کی زندگی، صحت و عافیت کے لیے خطرہ بن جاتا ہے یا ایسے خطرے کا معقول امکان پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے بے رحمی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک ذہنی بے رحمی یا ظلم اور دوسری جسمانی بے رحمی یا ظلم۔ مجموعہ تعزیرات بھارت کی دفعہ 304۔ب اور دفعہ 498۔الف کے تحت بے رحمی یا ظلم ایک عام لازمی عنصر ہے۔ ظالمانہ رویہ کسی بھی عورت کو خودکشی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے یا اس سے اس کی جان، جسم کے کسی حصے یا صحت کو شدید مضرت پہنچ سکتی ہے۔ یہ مضرت ذہنی بھی ہو سکتی ہے، جسمانی بھی ہو سکتی ہے یا دونوں ہو سکتی ہیں۔ مجموعہ تعزیرات بھارت کی مختلف دفعات کی رو سے لفظ مضرت سے ایسا ضرر یا تکلیف مراد ہے جو کسی طرح بھی غیر قانونی طور پر کسی شخص کے جسم یا دماغ یا نیک نامی یا جائیداد کو پہنچا ہو۔ ظلم و بے رحمی کی دفعہ 498 الف کی اغراض کے لیے تشریح میں وضاحت کی گئی ہے۔ دفعہ 498۔الف اور شہادت کی قیاسی دفعہ 113ب کو مختلف قوانین میں تعزیری قانون (دوسری ترمیم) ایکٹ، 1983 کے ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ ان دونوں دفعات کا تعلق الگ الگ جرائم سے ہے اس لیے انہیں Mutually Inclusive یعنی ایک دوسرے میں شامل، نہیں کہا جا سکتا۔

دفعہ 498۔الف سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر کا ہرگز یہ ارادہ نہ ہو کہ وہ اپنی بیوی کو خودکشی کرنے پر مجبور کرے تو یہ دفعہ 498الف کے دائرے میں نہیں آئے گا کیونکہ اس دفعہ کے اطلاق کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایسا جان بوجھ کر کیا جائے۔ کیرالہ ہائی کورٹ نے بھی دیوپا بنام ریاست کیرالہ، والے معاملے میں (2006، کریمنل لاء جرنل 3480 ص3483 (کیرالہ) یہی فیصلہ دیا ہے۔

شوبھا رانی بنام مدھوکر ریڈی والے معاملے میں (اے آئی آر 1988 ایس سی 121 ص 127) سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ جہیز کی مانگ ظلم کے زمرے میں آتی ہے۔

باب-III

تحفظ افسران، خدمت فراہم کنندگان وغیرہ کے اختیارات اور فرائض

تحفظ افسر کو مخبری اور مخبر کا ذمہ داری سے مبرا ہونا

4- (1) کوئی شخص جس کے پاس یہ باور کرنے کے لیے وجہ ہو کہ گھریلو تشدد کے کسی فعل کا ارتکاب کیا گیا ہے یا ارتکاب کیا جا رہا ہے یا ارتکاب کا احتمال ہے، اس کی نسبت متعلقہ تحفظ افسر کو اطلاع دے سکے گا۔

(2) ذیلی دفعہ (1) کی غرض کے لیے نیک نیتی سے دی گئی کسی اطلاع کے لیے کسی شخص پر دیوانی یا فوجداری ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

پولس افسران، خدمت فراہم کنندگان اور مجسٹریٹ کے فرائض

5- کوئی پولس افسر، تحفظ افسر، خدمت فراہم کنندہ یا مجسٹریٹ جسے گھریلو تشدد کی شکایت موصول ہوئی ہو یا بہ نوع دیگر گھریلو تشدد کے واقعہ کے جائے وقوع پر موجود ہو یا گھریلو تشدد کے واقعہ کی اطلاع اُسے دی گئی ہو، متاثرہ شخص کو حسب ذیل کی اطلاع دے گا:

(الف) اس ایکٹ کے تحت راحت حاصل کرنے کے لیے حکم تحفظ، مالی راحت کے لیے حکم، تحویل کے حکم، حکم سکونت، حکم معاوضہ یا ایک سے زیادہ ایسے حکم کے لیے درخواست دینے کا اُس کا حق؛

(ب) خدمت فراہم کنندگاں کی خدمات کی دستیابی؛

(ج) تحفظ افسران کی خدمات کی دستیابی؛

(د) قانونی خدمات اتھارٹی ایکٹ، 1987 کے تحت مفت قانونی خدمت کا حق؛

(ہ) مجموعہ تعزیرات بھارت کی دفعہ 498۔ الف کے تحت شکایت دائر کرنے کا اس کا حق جہاں پر مناسب ہو؛

لیکن شرط یہ ہے کہ اس ایکٹ میں کسی امر سے کسی طرح یہ تعبیر نہ ہوگا کہ وہ کسی پولس افسر کو قابل دست اندازی جرم کے ارتکاب کی نسبت اطلاع ملنے پر قانون کے مطابق اپنے فرض کی انجام دہی سے مبرا کردیتا ہے۔

پناہ گھروں کے فرائض

6۔ اگر کوئی شخص یا اس کی جانب سے کوئی تحفظ افسر یا کوئی خدمت فراہم کنندہ کسی پناہ گھر کے نگراں سے ایسی خاتون کو پناہ دینے کی درخواست کرے تو وہ نگراں شخص متاثرہ شخص کو اپنے پناہ گھر میں پناہ مہیا کرے گا۔

علاج کی سہولت والے اداروں کے فرائض

7۔ اگر کوئی متاثرہ شخص یا اس کی جانب سے کوئی محافظ افسر یا کوئی خدمت فراہم کنندہ کسی علاج کی سہولت والے ادارے کے نگراں شخص سے ایسی خاتون کو کوئی علاج فراہم کرنے کی درخواست کرے تو علاج کی سہولتوں کا ایسا نگراں شخص اپنے علاج کی سہولت والے ادارے میں علاج کی یہ سہولت فراہم کرے گا۔

تحفظ افسران کی تقرری

8۔ (1) ریاستی حکومت اطلاع نامہ کے ذریعے ہر ضلع میں تحفظ افسران ایسی تعداد میں مقرر کرے گی جتنے کہ وہ ضروری سمجھے اور علاقہ یا علاقوں کو بھی مشتہر کرے گی جس کے یا جن کے اندر کوئی تحفظ افسر اس ایکٹ کی رو سے یا اس کے تحت عطا شدہ اختیارات استعمال کرے گا اور اپنے فرائض انجام دے گا۔

(2) تحفظ افسران، جس حد تک ممکن ہو سکے، خواتین ہوں گی اور ان کے پاس ایسی اہلیت اور تجربہ ہونا چاہیے جو مقرر کیا جائے۔

(3) تحفظ افسر اور اُس کے ماتحت دیگر افسران کی شرائط ملازمت ایسی ہوں گی جو مقرر کی جائیں۔

تحفظاتی افسران کے فرائض اور کارہائے منصبی

9۔ (1) تحفظاتی افسر کا فرض ہوگا کہ وہ—

(الف) مجسٹریٹ کو اس ایکٹ کے تحت اپنے کارہائے منصبی کی انجام دہی میں مدد کرے؛

(ب) گھریلو تشدد کی شکایت موصول ہونے پر ایسے فارم میں اور ایسے طریقے سے جو مقرر کیا جائے، مجسٹریٹ کو گھریلو تشدد کے واقعہ کی رپورٹ دے اور اس کی نقول پولس تھانہ جس کے اختیار کے مقامی حدود کے اندر مبینہ طور پر گھریلو تشدد کا ارتکاب ہوا ہے، کے نگراں پولس افسر کو اور اس علاقے کے خدمات فراہم کنندہ کو ارسال کرے؛

(ج) ایسے فارم میں اور ایسے طریقے سے جو مقرر کیے جائیں مجسٹریٹ سے، اگر متاثرہ شخص چاہے، حکم تحفظ جاری کرنے کے لیے راحت کی غرض سے درخواست دے سکے گا؛

(د) اس بات کو یقینی بنائے کہ متاثرہ شخص کو قانونی خدمات اتھارٹی ایکٹ، 1987 کے تحت قانونی امداد مہیا کی جاتی ہے اور وہ فارم فوراً مفت دستیاب کرے جس میں شکایت کی جاتی ہوتی ہے؛

(ہ) مجسٹریٹ کے مقامی حدود اختیار کے اندر تمام خدمات فراہم کنندگان جو قانونی امداد یا مشورہ فراہم کرتے ہوں، پناہ گھروں اور علاج کی سہولتوں کی فہرست مرتب رکھے؛

(و) محفوظ پناہ گھر دستیاب کرے اگر متاثرہ شخص اس کے لیے کہے اور متاثرہ شخص کو پناہ گھر میں ٹھہرانے کی نسبت رپورٹ کی ایک نقل پولس اسٹیشن اور مجسٹریٹ کو ارسال کرے جس کے مقامی حدود اختیار میں ایسا پناہ گھر واقع ہو؛

(ز) متاثرہ شخص کا طبی معائنہ کرائے اگر اس خاتون کا جسم زخم خوردہ ہو اور میڈیکل رپورٹ کی ایک نقل پولس اسٹیشن اور مجسٹریٹ کو ارسال کرے جسے اس علاقہ میں اختیار سماعت حاصل ہو جہاں گھریلو تشدد مبینہ طور پر ہوا ہو؛

(ح) اس بات کو یقینی بنائے کہ دفعہ 20 کے تحت مالی راحت کے لیے حکم کی تعمیل ہو اور اسے مجموعہ ضابطہ فوجداری 1973 کے تحت مقررہ ضابطہ کے مطابق روبہ عمل لایا جائے؛

(ط) ایسے دیگر فرائض انجام دے جو مقرر کیے جائیں۔

(2) تحفظ افسر مجسٹریٹ کے کنٹرول اور نگرانی کے تحت ہوگا اور اس ایکٹ کی رو سے یا اس کے تحت مجسٹریٹ اور حکومت کی جانب سے عائد کردہ فرائض انجام دے گا۔

خدمت فراہم کنندگان

10- (1) ایسے قواعد کے تابع جو بنائے جائیں، کوئی رضا کار سوسائٹی جو سوسائٹیوں کی رجسٹری ایکٹ، 1960 کے تحت یا کوئی کمپنی جو کمپنی ایکٹ، 1956 یا فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کے تحت اس غرض کے لیے درج رجسٹر ہو کہ وہ جائز ذرائع سے خواتین کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کرائے گی جس میں قانونی امداد، طبی، مالی یا دیگر مفادات شامل ہیں، اپنے آپ کو اس ایکٹ کی اغراض کے لیے ریاستی حکومت کے پاس خدمت فراہم کنندہ کی حیثیت سے درج رجسٹر کرائے گی۔

(2) ذیلی دفعہ (1) کے تحت درج رجسٹر خدمت فراہم کنندہ کو اختیار ہوگا کہ وہ:

(الف) مقررہ فارم میں گھریلو تشدد کی رپورٹ قلم بند کرے اگر متاثرہ شخص ایسا کرنا چاہے اور اس کی ایک نقل مجسٹریٹ اور تحفظاتی افسر کو ارسال کرے جنہیں ایسے علاقے پر حدود اختیار حاصل ہو جہاں گھریلو تشدد واقع ہوا ہو؛

(ب) متاثرہ شخص کا طبی معائنہ کروائے اور میڈیکل رپورٹ کی ایک نقل تحفظاتی افسر اور پولس اسٹیشن کو ارسال کرے جس کی مقامی حدود کے اندر گھریلو تشدد واقع ہوا ہو؛

(ج) اس بات کو یقینی بنائے کہ متاثرہ شخص کو کسی پناہ گھر میں پناہ مہیا کی جائے اگر وہ اس کے لیے کہے اور متاثرہ شخص کو پناہ گھر میں ٹھہرانے کی نسبت رپورٹ پولس اسٹیشن کو ارسال کرے جس کی مقامی حدود میں گھریلو تشدد واقع ہوا ہو۔

(3) کسی خدمت فراہم کنندہ یا خدمت فراہم کنندہ کے کسی رکن کے خلاف، جو اس ایکٹ کے تحت کارروائی کرتا ہو یا کارروائی کرتا ہوا متصور ہو یا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس ایکٹ کے تحت گھریلو تشدد کے ارتکاب کو روکنے کے لیے اپنے اختیارات کے استعمال یا اپنے کارمنصبی کی انجام دہی میں نیک نیتی سے کیے گئے یا کیے جانے والے کسی فعل کے لیے کوئی مقدمہ، استغاثہ یا دیگر قانونی کارروائی دائر نہیں ہوگی۔

حکومت کے فرائض

11۔ مرکزی حکومت اور ہر ریاستی حکومت حسب ذیل کو یقینی بنانے کے لیے تمام اقدام کرے گی:

(الف) اس ایکٹ کی توضیعات کو عوامی ذرائع ابلاغ بشمول ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے باقاعدہ وقفوں کے بعد عام تشہیر دی جاتی ہے؛

(ب) اس ایکٹ میں جن معاملات کی طرف توجہ دی گئی ہے ان کے بارے میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کے افسران جن میں پولس افسران اور جوڈیشل سروس کے ارکان بھی شامل ہیں، کو وقتے وقتے پر جانکاری دینے اور احساس دلانے کی تربیت دی جاتی ہے؛

(ج) گھریلو تشدد کے معاملات سے نمٹنے کے لیے متعلقہ وزارتوں اور قانون، امور داخلہ جس میں امن و قانون، صحت عامہ اور انسانی وسائل بھی شامل ہیں، کی طرف سے مہیا کی جانے والی خدمات کے درمیان موثر رابطہ قائم کیا جاتا ہے اور ان کا جائزہ وقتے وقتے کے بعد لیا جاتا ہے؛

(د) اس ایکٹ کے تحت خواتین کو مہیا کی جانے والی خدمات کی فراہمی سے متعلق مختلف وزارتوں کے لیے پروٹوکول تیار کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

باب iv

راحت کے احکام حاصل کرنے کے لیے طریقہ کار

مجسٹریٹ کو درخواست

12- (1) متاثرہ شخص یا تحفظاتی افسر یا متاثرہ شخص کی جانب سے کوئی دوسرا شخص اس ایکٹ کے تحت ایک یا ایک سے زیادہ راحتیں حاصل کرنے کے لیے مجسٹریٹ کے سامنے درخواست دے سکے گا:

لیکن شرط یہ ہے کہ اس درخواست پر کوئی حکم صادر کرنے سے پہلے مجسٹریٹ، تحفظاتی افسر یا خدمت فراہم کنندہ سے حاصل شدہ گھریلو تشدد کے واقعہ کی رپورٹ کو ملحوظ رکھے گا۔

(2) ذیلی دفعہ (1) کے تحت مانگی گئی راحت میں معاوضہ یا تاوان کی ادائیگی کے لیے حکم کی اجرائی بھی شامل ہے اور اس سے مسئول الیہ کے ذریعے گھریلو تشدد کے ارتکاب سے آئی ضرر کے لیے معاوضہ یا تاوان کے لیے مقدمہ دائر کرنے کے ایسے شخص کے حق کو مضرت نہیں پہنچے گی:

لیکن شرط یہ ہے کہ جب کسی عدالت نے متاثرہ شخص کے حق میں معاوضہ یا تاوان کے طور پر کسی رقم کے لیے ڈگری صادر کی ہو تو اس ایکٹ کے تحت مجسٹریٹ کے کسی حکم کے اتباع میں واجب الادا یا ادا شدہ رقم، اگر کوئی ہو، ایسی ڈگری کے تحت واجب

الا دا رقم سے گھٹا دی جائے گی اور یہ ڈگری مجموعہ ضابطہ دیوانی 1908 یا فی الوقت نافذ العمل دیگر کسی قانون میں مندرج کسی امر کے باوجود، بقیہ رقم، اگر کوئی ہو، جو ایسی مجرائی کے بعد رہ جائے، کے لیے نافذ العمل ہوگی۔

(3) ذیلی دفعہ (1) کے تحت ہر درخواست ایسی شکل میں ہوگی اور اس میں ایسی تفاصیل درج ہوں گی جو مقرر کی جائیں یا جو حتی الامکان ان تفاصیل کے مطابق ہوں۔

(4) مجسٹریٹ پہلی سماعت کے لیے تاریخ مقرر کرے گا جو بالعموم عدالت کو درخواست موصول ہونے کی تاریخ سے تین دن سے متجاوز نہ کرے گی۔

(5) مجسٹریٹ ذیلی دفعہ (1) کے تحت دی گئی ہر درخواست پر اس کی پہلی سماعت کی تاریخ سے ساٹھ دنوں کے اندر اپنا فیصلہ دینے کی کوشش کرے گا۔

اس ضمن میں کیرالہ ہائی کورٹ نے موتی بنام لیلما والے معاملے میں (2007(2) کیرالہ ٹائمز ص432 ص436، 437 (کیرالہ)) یہ فیصلہ دیا ہے کہ کسی بھی اعلیٰ عدالت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی بھی مجسٹریٹ کے روبرو زیر سماعت کسی بھی پٹیشن کو کسی سول عدالت یا فیملی کورٹ کو ٹرانسفر کر سکے۔

نوٹس کی تعمیل

13- (1) مجسٹریٹ دفعہ 12 کے تحت سماعت کے لیے مقرر کی گئی تاریخ کا نوٹس تحفظاتی افسر کو دے گا جو اسے ایسے ذرائع سے، جو مقرر کیے جائیں، مسئول الیہ اور ایسے دیگر اشخاص سے جن کی نسبت مجسٹریٹ ہدایت دے، موصول ہونے کی تاریخ سے زیادہ سے زیادہ دو دنوں یا ایسے مزید مناسب وقت کے اندر جس کی اجازت مجسٹریٹ دے، تعمیل کروائے گا۔

(2) نوٹس کی تعمیل کی نسبت، ایسے فارم میں جو مقرر کیا جائے، تحفظاتی افسر کا اقرار نامہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ایسا نوٹس مسئول الیہ یا کسی دیگر شخص سے جس کی نسبت مجسٹریٹ نے ہدایت دی ہو، تعمیل کروایا گیا تھا تاوقتیکہ اس کے برعکس ثابت نہ ہو۔

مشورہ

14- (1) مجسٹریٹ اس ایکٹ کے تحت کارروائیوں کے کسی مرحلہ پر مسئول الیہ یا متاثرہ شخص کو ہدایت دے سکے گا کہ وہ یا تو اکیلے یا اکٹھے خدمت فراہم کنندہ کے کسی ایسے رکن کے ساتھ صلاح مشورہ کریں جو مشورہ کے لیے ایسی اہلیت اور تجربہ رکھتا ہو، جو مقرر کیے جائیں۔

(2) جب مجسٹریٹ نے ذیلی دفعہ (1) کے تحت کوئی ہدایت جاری کی ہو تو وہ معاملہ کی اگلی سماعت کے لیے تاریخ زیادہ سے زیادہ دو ماہ کی مدت کے اندر مقرر کرے گا۔

ماہر بہبود کی مدد

15- اس ایکٹ کے تحت کسی کارروائی میں مجسٹریٹ اپنے کار ہائے منصبی کی انجام دہی میں مدد کی غرض کے لیے ایسے شخص، ترجیحاً خاتون کی، چاہے متاثرہ شخص سے متعلق ہو یا نہ ہو، خدمات حاصل کر سکے گا جسے وہ ٹھیک سمجھے اور اس میں کوئی ایسا شخص شامل ہے جو خاندانی بہبود کو فروغ دینے میں مصروف ہو۔

کارروائی کا بند کمرے میں منعقد کرنا

16- اگر مجسٹریٹ یہ تصور کرے کہ معاملہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے ایسا کرنا ضروری ہے اور اگر کارروائی کے فریقین میں سے کوئی فریق ایسی خواہش ظاہر کرے تو مجسٹریٹ اس ایکٹ کے تحت کارروائی بند کمرے میں منعقد کر سکے گا۔

مشترکہ گھر میں رہائش کا حق

17- (1) فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں مندرج کسی امر کے باوجود گھریلو رشتہ کی ہر خاتون کو مشترکہ گھر میں رہائش کا حق ہوگا چاہے اسے اس میں کوئی حق، استحقاق یا فائدہ بخش مفاد ہو یا نہ ہو۔

(2) مسئول الیہ متاثرہ شخص کو مشترکہ گھر یا اس کے کسی حصہ سے بے دخل یا نکال باہر نہیں کرے گا بجز اس طریقہ سے جو از روئے قانون قائم کیا گیا ہو۔

حکم تحفظ

18- مجسٹریٹ متاثرہ شخص اور مسئول الیہ کو سماعت کا موقع دینے اور بادی النظر میں مطمئن ہونے کے بعد کہ گھریلو تشدد واقع ہونے کا اندیشہ ہے، متاثرہ شخص کے حق میں حکم تحفظ جاری کر سکے گا اور مسئول الیہ کو حسب ذیل کی ممانعت کر سکے گا:۔

(الف) گھریلو تشدد کے کسی فعل کا ارتکاب؛

(ب) گھریلو تشدد کے افعال کے ارتکاب میں اعانت کرنا یا مدد دینا؛

(خواتین سے متعلق جنسی و دیگر جرائم، قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

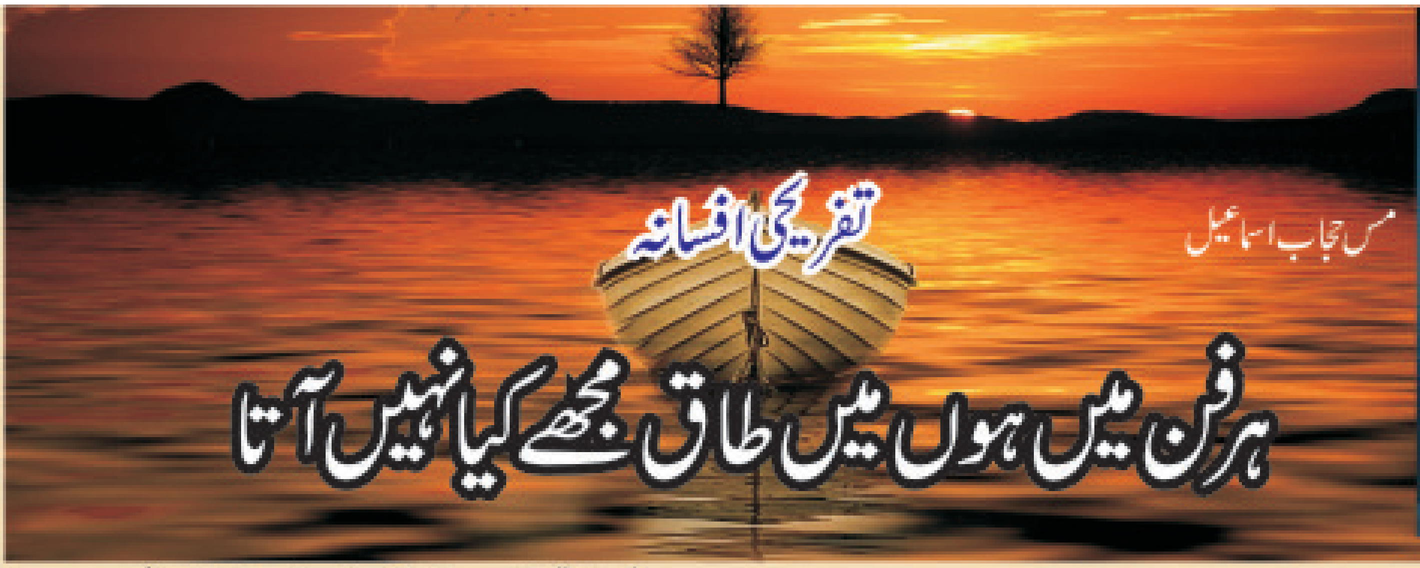

مس حجاب اسماعیل

تفریحی افسانہ

ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

(1)

ایک ٹھنڈی رات ، ہم سب کے سب ایک بڑے کمرے میں دروازے بند کیے بیٹھے تھے، باہر صرہ اور تیز ہوا چل رہی تھی، پر کمرے میں کامل سکون تھا۔

ہم سب مشغول تھے۔ ایک موٹی سی سیاہ بلی کمرے کے ایک کونے میں دریچی کے نیچے بیٹھی پرچ میں دودھ پی رہی تھی۔ بس اسی کی آواز ہماری محویت میں خلل انداز ہو جاتی تھی۔

میں تو کمرے کے ایک کونے میں کسی ماہر موسیقی کی طرح پیانو کے پردوں پر ہاتھ ٹیکے ایک شان بے نیازی سے بیٹھی تھی۔

فیروز اپنے کوٹ کا بٹن ایک مشاق درزی کی طرح جلد جلد ٹانک رہا تھا۔

مریم اور جامی کسی قدر فاصلے پر بیٹھے دنیا کے مشہور کھلاڑیوں کے انداز میں ناک بھوں چڑھا چڑھا کر شطرنج کھیل رہے تھے۔

اور بوڑھا ڈاکٹر مانجو، ایک مغرور نقاد کی طرح دریچے کے آگے آرام کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے مزے سے بیٹھا ہوا اک کتاب پڑھ رہا تھا۔

ہم سب اپنے کام میں اس قدر منہمک اور مستغرق تھے کہ ایک دوسرے کی موجودگی کو بھی بھولے ہوئے تھے یہی وجہ تھی کہ جب جی چاہتا میں آہستہ آہستہ گانے لگتی۔ فیروز زور زور سے دھاگا کھینچتا۔ مریم اور جامی پردوں کو زور زور سے پٹکتے اور بوڑھا ڈاکٹر مانجو مزے میں آ کر کتاب کی جلد پر انگلی بجانے لگتا۔

تھوڑی دیر ہو کا عالم رہا۔ جہاں دو چار ماہرین فن اکٹھے ہوتے ہیں وہاں عموماً یہی کیفیت ہوتی ہے، چنانچہ کسی قسم کی آواز نہ تھی مگر یکایک مریم اور جامی زور سے آپس میں لڑ پڑے۔

’تم بڑے ہی احمق ہو‘ مریم نے کہا۔

’تم کو شطرنج کھیلنا نہیں آتا۔‘ جامی نے جواب دیا۔

اس سکوت مطلق میں ان دونوں کی تیز آواز ایسی اچانک بلند ہوئی کہ دماغ دو لمحوں کے لیے معطل ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم پر ناگہانی مصیبت آ گئی ہے۔ دل دہل گئے۔ ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔ فیروز چونک پڑا اور سوئی (جسے وہ جلد جلد زخم میں چلا رہا تھا) اس کی انگشت شہادت میں چبھ گئی۔

ڈاکٹر مانجو کو بڑا غصہ آیا کہنے لگا۔ ’تم سب کے سب بڑے واہیات ہو ارنج کی بات ہے کہ تم میں سے کسی ایک میں بھی تہذیب نہیں، میں ایک بہت مزے دار قصہ پڑھ رہا تھا۔ تم لوگ جانتے ہو کہ ہم نقادوں کو غور کے ساتھ کتاب کی ایک ایک سطر پڑھنی پڑتی ہے۔ میں احتیاط کے ساتھ ہر سطر پر انگلی رکھ رکھ کر پڑھ رہا تھا۔ جاؤ! میرا لطف ہی کرکرا کر دیا۔ جامی نے‘

جامی نے اپنے دونوں کان اونچے کر کے بگڑ کر کہا: ’کیا — کیا کہا؟؟ میرا نام کیوں لیتے ہو؟ یوں کہو مریم نے‘

ڈاکٹر مانجو کسی قدر مرعوب ہو گیا۔ واقعی جامی کی آواز ہی کچھ اس قدر بلند تھی کہ بہادر سے بہادر فوجی جنرل بھی ہوتا تو ڈر جاتا۔ ڈاکٹر مانجو نے ذرا لرزتی ہوئی آواز میں کہا: اچھا یوں ہی سہی مریم نے!

مریم تنک کر بولی۔ واہ حضرت! واہ! میں نے کیا کیا نہیں؟ یوں کہو فیروز نے! اس کی انگلی میں سوئی چبھ گئی اور وہ چیخ اٹھا۔

ڈاکٹر مانجو بیزار ہو کر بولا ’الٰہی تیری پناہ! میں تو توبہ کرتا ہوں! خیر اچھا۔ سمجھ لو فیروز نے! مگر بھئی اب میرا مغز نہ چاٹ جاؤ میں بڑا ہی مصروف ہوں۔ ایک بہت ہی دقیق اور دلچسپ رومان پڑھ رہا ہوں۔‘

میں اب تک خاموش بیٹھی تھی فسانہ نویس عورت کی حیثیت سے پوچھنے لگی۔ مگر آخر وہ کس مصنف کا قصہ ہے؟

’مصنف؟ مصنف تو میں نہیں جانتا!‘ یہ کہہ کر مانجو پھر پڑھنے لگا۔

فیروز ہنس کر بولا۔ ’آخر کسی نہ کسی مصنف نے اسے تصنیف کیا ہی ہوگا۔ ورنہ بے مصنف کے خود بخود قصہ بننے سے تو رہا۔“

مانجو میاں ذرا چڑھ کر بولے ’ہاں بھئی یہ تو ہم بھی جانتے ہیں مگر

میں کہتا ہوں کہ میں مصنف کو نہیں جانتا! خیر جو کچھ ہو۔ قصہ تو بڑا عمدہ ہے!'

اس میں کیا کیا ہے بھلا؟ پڑھیے تو۔ ذرا ہم بھی سنیں!' مریم نے التجا کی اچھا پڑھتا ہوں! سنو!'

ڈاکٹر مانجو نے فلسفیانہ انداز میں اور عالمانہ طریق پر ہاتھ اٹھا کر انگلی سے ہم سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قصہ پڑھنا شروع کیا۔ شدت جوش سے آواز حلق میں اٹک اٹک کر رہ جاتی تھی۔

جزیرے کے پاس آخر ایک دن ایک کشتی نظر آئی۔ مان بان اگرچہ کشتی بانی میں کوئی مہارت نہ رکھتا تھا۔ مگر بڑا ہوشیار نوجوان تھا۔ کشتی میں چڑھ گیا۔ ابر اور ہوا کے باوجود وہ طوفانی موجوں کو چیرتا ہوا خوفناک ہوا سے مقابلہ کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشکی کو ڈھونڈ رہی تھیں جو اس سے ابھی کوسوں دور تھی۔

سمندر بہت بڑا تھا اور اس کی کشتی بہت چھوٹی تھی اس لیے وہ بھی گول گھومنے لگ جاتی اور اس کی کوششوں سے ٹھیک ہو جاتی۔

اتنا پڑھ کر بوڑھے ڈاکٹر مانجو نے ہماری طرف گردن لمبی کر کے اس انداز سے دیکھا گویا وہ قصے کے ہیرو کے بہادرانہ اخلاق کی ہم سے داد طلب کر رہا ہے۔

تھوڑی دیر سب غور میں مبتلا رہے، پھر سب کے سب بول اٹھے، واہ واہ یہ کون سی بڑی بات ہے آخر؟

یہ سن ڈاکٹر مانجو کی ناک سرخ ہو گئی۔ غصے سے بولا۔' کون سی بڑی بات ہے؟ جیسے تم سب کے سب بڑے مشاق ملاح ہو؟' اور نہیں تو کیا تم ہم کو محض ـــــ سمجھتے ہو؟' فیروز نے سوئی ٹکنے میں زور سے چبھوتے ہوئے غصے سے پوچھا کیوں جواب دو جی! تم ہم سب کو کیا سمجھتے ہو؟ جامی نے بھی انتقام بھرے لہجے میں سوال کیا۔ مریم سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اپنی توہین کوئی بھی ٹھنڈے دل سے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے مریم سے جھلا کر کہا۔' واہ یہ تو ظلم ہے! صریحاً ظلم! یہ تمھاری بڑی زیادتی ہے ڈاکٹر میاں۔'

میں نے اس وقت چپ رہنا مصلحت وقت خیال نہیں کیا، اس لیے فوراً بولی۔

'اگر تم ہمیں ـــــ سمجھتے ہو تو مجھے قسم ہے تمھاری ہی۔ تم بھی بڑے وہی ہو!'

مانجو میاں، اب پریشان پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے قصے کی کتاب بھی میز پر پھینک دی تھی اور ہانپ رہا تھا۔ پریشان لہجے میں کہنے لگا۔' میں تم میں سے کسی ایک کو بھی گدھا سمجھنے کا حق نہیں رکھتا! یہ تو سچ ہے۔ مگر یہ بھی خواہ مخواہ یقین کیوں کر لوں؟ کہ تم سب کے سب کشتی چلانے میں ماہر ہو؟'

فیروز کو غیرت آئی بول اٹھا۔ تم کل ہی مجھے ایک کشتی منگوا دو! میں وہ وہ کرتب دکھاؤں گا کہ تم بھی کیا یاد کرو گے؟'

'اور تم میاں جامی' ڈاکٹر مانجو نے سوال کیا۔ وہ اب تک حواس باختہ نظر آ رہا تھا۔

جامی فخریہ لہجے میں بولا' کیا میں کسی سے کم ہوں؟ تین سال ہوئے سلطان عبدالحمید نے مجھے کشتی بانی کے فن میں سونے کا تمغہ عطا کیا تھا۔ اب کیا کہو گے بڑے میاں؟'

ڈاکٹر مانجو حیران رہ گیا۔ ابھی وہ حیران ہی ہو رہا تھا کہ ایک تند قہقہے نے اس کے رہے سہے اوسان خطا کر دیے۔ یہ مریم تھی کہہ رہی تھی۔' اچھا! یہ راز میں اب کھولے دیتی ہوں۔ میں نے اپنی ایک عمر کشتی بانی میں گزاری ہے۔ ایک دفعہ شہزادے صاحب کی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا تھا میں نے آخر خیر ـــــ اب اس کا ذکر ہی کیا۔' مانجو کی حیرت بڑھتی ہی گئی۔

اب تو مجھے بھی کچھ خیال آیا بولی' تم سب کے سب بڑے مشاق ملاح ہو گویا ـــــ گویا ہم کوئی چیز ہی نہیں، جل کر میں نے کہا۔'

یہ سن کر ڈاکٹر مانجو میری طرف مڑا۔' لو ـــــ یک نہ شد دو شد! اس گویا گویا سے آپ کا مطلب؟''

میں چڑ کر تیز آواز میں بولی۔' مطلب؟ مطلب کیا ہوتا سوائے اس کے کہ میں بھی اس فن میں کسی سے کم نہیں'

جب ڈاکٹر مانجو نے دیکھا کہ سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ماہر ہیں تو اسے بھی شوق چرایا۔ خاموش رہنا توہین سمجھ کر ایک لرزتے ہوئے لہجے میں آخر اعلان کر ہی دیا۔

یوں تو میں کسی سے اس کا بار بار ذکر کرنا پسند نہیں کرتا مگر تم سب یہ سن کر انگشت بدنداں رہ جاؤ گے کہ اس فن کا میں بھی استاد ہوں!

(2)

کمرے میں پھر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ مگر یہ خاموشی بڑی معنی خیز تھی۔ سب آپس میں، ایک دوسرے کا چہرہ تک رہے تھے۔ سب کے دل کر توں کے اندر دھڑک رہے تھے اور سب اپنی کامیابی پر نازاں و خنداں تھے۔

ہم پہ ابھی یہ سرور آگیں کیفیت گزر رہی تھی کہ دفعتا کمرے کا دروازہ کھلا اور سب کی نظریں اوپر کو اٹھیں ایک دراز قد سانولے رنگ کی عورت بھورے رنگ کے لمبے دامنوں کے لباس میں اندر داخل ہوئی۔

' یہ کیا معاملہ ہے؟ تم سب کیا کر رہے ہو؟ میں پہلو کے کمرے میں کھانا کھا رہی تھی اور تم سب کی بحث سن چکی ہوں'

ڈاکٹر مانجو نے اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔ 'بحث، بحث تو نہیں ہوئی! البتہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کشتی میں بہت اچھی چلا سکتا ہوں۔'

اور تم لوگ لڑ کیوں رہے تھے؟ بیوی نے سوال کیا۔

فیروز نے جواب دیا' خدا نخواستہ لڑ تو نہیں رہے تھے۔ میں بھی ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا کہ اس فن میں میں بھی کامل مہارت رکھتا ہوں۔'

مگر تم لوگوں کی آوازیں بہت بلند تھیں! لڑائی تو نہیں ہوئی؟ بیوی نے دوبارہ مزید اطمینان کے لیے دریافت کیا بالکل نہیں — حاجی نے جواب دیا' میں بھی یہ بات ڈاکٹر کے ذہن نشین کرا رہا تھا کہ میں اس معاملے میں میں دونوں کا حریف ہوں۔ بیوی بولی۔' بات کیسی چھوٹی اور معمولی تھی مگر مریم کی آواز اس قدر تیز تھی کہ میں سمجھی تم سب کشتی کر رہے ہو'

مریم ہنس پڑی۔ بولی۔ ہے ہے' تم بھی عجیب عورت ہو۔ میں ان لوگوں پر ظاہر کر رہی تھی کہ میں نے ایک عمر بھی کشتی پانی میں گزاری۔'

'مگر تم پانچوں کی آواز بڑی تیز تھی بیوی نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

میں بولی۔' ہاں — میں جی تو اس میں شامل تھی۔ سب کہہ رہے تھے تو میں خاموش کیسے بیٹھتی؟'

کمر پر ہاتھ رکھے ڈاکٹر کی بیوی دو لمحے ہمارے درمیان قالین پر کھڑی رہی پھر سر اٹھا کر کہا۔ مگر مجھے یقین ہی نہیں آتا! اچھا امتحان یہ کرو کہ کل صبح ایک کشتی منگوائی جائے گی تم سب اس پر چڑھو اور اپنے اپنے کرتب دکھاؤ۔

سب کے حلق خشک ہو گئے۔ مگر جبراً و قہراً آواز نکالنی ہی تھی۔ اس لیے سب کوشش کر رہے تھے کہ اپنے خشک حلق سے' ہاں ضرور منگواؤ' کہیں۔ بڑی کوشش کے بعد جب ہم نے حلق سے آواز نکالی تو کسی کی ایسی نکلی جیسے باولی سے پانی نکالتے وقت آتی ہے کسی کی ایسی جیسے خراب لکڑی کے کواڑ بند کرتے وقت! غرض عجب بے ہنگم آوازیں کمرے میں بلند ہوئیں۔ ڈاکٹر کی بیوی پر اس کا عجب اثر ہوا۔

تم سب کی آوازیں بہت خوفناک ہیں! معلوم ہوتا ہے کہ چیخ کر اپنے اپنے کمال ظاہر کر رہے تھے۔ خیر کل صبح معلوم ہی ہو جائے گا کہ کون ماہر ہے کون اناڑی'

(3)

دوسری صبح کو ایک کشتی گھاٹ پر منگوائی گئی۔ ہم پانچوں کو لے کر ڈاکٹر کی بیوی کنارے پر پہنچی امتحان شروع ہو گیا۔ پہلے میری باری تھی۔ میں کشتی میں بے خوف و خطر چڑھ تو گئی، پر سوچ رہی تھی کہ چپو کیونکر چلاؤں۔ آخر چپو کیونکر چلائے جاتے ہیں؟ جوں ہی میں نے سوچ کر ایک زور کا جھٹکا ہاتھ کو دیا۔ پانی میرے سر پر آ گیا۔ ناک اور آنکھیں بھی اس سے محفوظ نہ رہیں۔ میری اس حالت کو دیکھ کر فیروز چلا اٹھا۔' بس بس! تم کو کچھ نہیں آتا۔ اتر جاؤ۔ اتر جاؤ۔ بس ہو چکا امتحان! اترو جی۔ اب مجھے آنے دو۔

یہ کہتے ہی میں کشتی میں کود پڑا۔ ان کا کودنا تھا کہ کشتی جھولنے لگی اور پانی اچھل اچھل کر اندر آنے لگا۔

دیکھا — میں نہ کہتا تھا؟ حاجی نے آستین چڑھاتے ہوئے کہا' کہ تم دونوں نومشق اور کندۂ ناتراش ہو! چلو مجھے آنے دو اب! یہ کہتے ہوئے وہ بھی کشتی میں آ گیا۔ اس نے آتے ہی کشتی پر بادبان چڑھا دیا اور پیچھے کی طرف چلانے لگا۔ وہ سرکش کشتی آگے ہی کو بڑھتی جاتی تھی۔ اس وقت میری نظروں میں ڈوبی ہوئی لاشیں پھر رہی تھیں اور میں اس خوفناک تخیل سے لرز رہی تھی۔

مریم بولی! ایسا کرو گے تو ڈوب جاؤ گے تم سب! کشتی ایسے نہیں چلایا کرتے؟ یہ کہتے ہی وہ کشتی میں جل پری کی طرح کود پڑی۔ جوں ہی وہ اندر آئی ہوا کے اک زبردست جھونکے نے کشتی کو ندی میں دھکیل دیا۔

'ہائے ہائے! اب تم سب کے سب مرے! میرے بغیر تم سب کیا کر سکو گے؟ اب بھی کہو تو میں مدد کے لیے تیار ہوں۔ کہو۔ کیا آؤں؟ بچا لوں؟ آؤں؟' ڈاکٹر مانجو کنارے پر ناچتا ہوا چیخیں مار رہا تھا۔

یہ سن کر ہم سب ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگے۔ اس کی بیوی سے ضبط نہ ہو سکا۔' کیا میاؤ میاؤ کرتے ہو! جاؤ بچاؤ ان لوگوں کو! تم سب کے سب نکمے ہو' بیوی نے نہایت غصے کے لہجے میں کہا اور ہم سب کو خصوصاً ڈاکٹر کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگی کہ کچا کھا جائے گی۔

ڈاکٹر کہنے لگا۔ ذرا جلدی میری آستینیں چڑھاؤ۔ میرا یہ کوٹ سنبھالو۔ میں پیٹی مضبوط لگا لوں۔ وہ دیکھو! وہ لوگ ڈوب رہے ہیں۔ ہائیں۔ یہ جیتے جاگتے انسان ہیں یا ان کی لاشیں! اب تو میں جاؤں گا اور بچالوں گا ان بیوقوفوں کو۔ دیکھنا فیروز! اب میں آ رہا ہوں۔

یہ کہہ کر جوں ہی اس نے چھلانگ ماری کشتی ندی میں الٹ گئی۔ ہم نیچے تھے کشتی اوپر۔ طوفان نوح کا سماں تھا! پانی کی تہہ سے ڈاکٹر کی آواز آ رہی تھی۔' تم لوگوں نے غلطی کی! ایسے نہیں چلایا کرتے کشتی۔'

'پھر کیسے چلایا کرتے ہیں؟'

مگر اب ڈاکٹر مانجو کے ناک میں بھی پانی بھر چکا تھا — کسی کی ناک میں تو کسی کے حلق اور زبان کے نیچے! کبھی کبھی ہواؤں کے ساتھ ڈاکٹر کی بیوی کی تیز تیز۔ ایک آدھی گالی سنائی دے جاتی تھی۔

غرض یہ ہزار وقت تیر کر ہم نے اپنی جان بچائی اور ساحل تک پہنچے۔ وہ دن اور آج کا دن — پھر ہم نے کبھی ماہر فن ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ (بہ شکریہ عصمت، جلد 48، نمبر 3، مارچ 1932)

شہزاد

رضیہ فصیح احمد

ہوٹل کے باہر لان میں ہم بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سرو کے گرد لپٹی ہوئی رنگین بتیوں کی مالائیں جل رہی تھیں۔ حوض میں لگے ہوئے شیشے کے پار سرخ مچھلیاں تیر رہی تھیں اور اس کے اوپر دیوار میں لگے ہوئے رنگین قمقموں نے ابھی ابھی شروع ہونے والی رات کو عجیب سکون دہ روشنی بخشی تھی۔ اس خوبصورت اور پرسکون ماحول میں ٹیپ ریکارڈ پر رمسکی کورسوکو، کا مشہور نغمہ شہرزاد بج رہا تھا۔ الف لیلیٰ سے متاثر ہو کر لکھا جانے والا یہ نغمہ نے دھیمے سروں میں آہستہ آہستہ شروع ہوتا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ سُر اور لے کی آواز تیز ہوتی جاتی ہے۔ اس نغمے کو خاموشی سے سنیے تو واقعی الف لیلیٰ کی روح اس میں سموئی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بغداد کی پُر اسرار راتوں میں بھیس بدلے ہوئے بادشاہوں اور سیاہ فام وحشیوں کے قدموں کی چاپ، خوبصورت ملکہ اور نیم وا آنکھوں والی حسین کنیزوں کی دل فریب اطلسی سیاہ راتوں میں دریائے دجلہ کی روانی اور ہر رات ایک نئے مہمان کے انتظار میں کھڑے رہنے والے ابوالحسن کے دل کی دھڑکن، اشرفی کی تھیلیوں کی جھنکار، ان اطلسی پردوں کی سرسراہٹ جن سے بغداد کے محل مزین تھے اور اس رباب کا ارتعاش جس کی صدا سے خلیفہ ہارون الرشید نیند سے بیدار ہوتے تھے۔ یہ لمبا نغمہ جس کے چار حصے ہیں، الف لیلیٰ کی ان ہزار راتوں کی یاد دلاتا ہے جو ہر رات ایک نئی کہانی کی کڑی میں ایک دوسری سے پیوست ہوتی چلی جاتی ہیں جیسے مختلف سازوں کی آوازیں گھل مل کر دور تک ایک ہوتی چلی گئی ہوں۔

جب یہ نغمہ ختم ہوا اور اس کا سحر ٹوٹا تو میں نے بیگم سیف سے پوچھا، ”آپ نے الف لیلیٰ کی کہانیاں تو ضرور پڑھی ہوں گی؟“ ”نہیں، میں نے نہیں پڑھیں۔“ انھوں نے لاپروائی سے کہا اور مجھے ان کے اس جواب سے بے حد مایوسی ہوئی۔ عراق کی رہنے والی، بغداد میں پرورش پانے والی ان خاتون نے الف لیلیٰ تک نہیں پڑھی جب کہ ہمارے ذہن میں بغداد کا ہر تصوف الف لیلیٰ کی سحر انگیز کہانیوں ہی سے وابستہ ہے۔ آج ہی کرنل سیف سے ہمارا تعارف ہوا تھا۔ کرنل ایک ملٹری کورس کرنے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ تعارف کے بعد کرنل نے ہم سے انگریزی میں بات کی مگر بیگم خاموش رہیں کیونکہ انھیں انگریزی کے صرف چند الفاظ آتے تھے اور وہ اپنی انگریزی سے شرمسار تھیں۔ مگر رفتہ رفتہ وہ ہم لوگوں سے اتنا گھل مل گئیں کہ گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کیا کرتیں۔ انگریزی کے انھیں الفاظ سے وہ دنیا بھر کے مطلب ادا کر لیتیں، حالانکہ وہ جملہ بنانے کی الف، بے سے بھی واقف نہیں تھیں۔ تب مجھے پتا چلا کہ آپس کی گفتگو کے لیے گرامر جاننے کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر روز وہ ہمیں اپنے ملک کے نئے نئے قصے سنایا کرتیں۔ اس لیے میں نے ان کا نام شہرزاد رکھ دیا تھا۔ یہ نام انھیں بھی پسند تھا۔

ایک دن باتوں باتوں میں ہم انھیں عربی کے وہ الفاظ بتانے لگے جو ہم اردو میں بھی بولتے ہیں۔ وہ ہمارے تلفظ پر ہنستے ہنستے بے حال ہو گئیں۔ اس وقت مجھے پتا چلا کہ زبان کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ آپ چاہے یوں اپنے شین قاف پر کتنا ہی فخر کیوں نہ کریں جب دوسری زبان کے الفاظ کا مسئلہ آتا ہے تو آپ کا تلفظ ہمیشہ مضحکہ خیز ہی ہوتا ہے۔ ایک پُر لطف بات یہ بھی تھی کہ ہم دونوں وہ زبانیں بولتے تھے جس کا رسم الخط ایک تھا مگر ایک دوسرے کی بات چیت بالکل نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ میرے افسانے بغیر سمجھے پڑھ لیتی تھیں اور میں ان کے وہ عربی رسالے جس میں خوبصورت مصری ایکٹرسوں کی تصویریں ہوتی تھیں۔ سوائے دو چار الفاظ کے میرے پلے کچھ نہ پڑتا تھا۔

’بغداد وری رچ، وری بیوٹی فل‘ ان کا تکیہ کلام تھا۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ بغداد میں ان کا ذاتی مکان بہت خوبصورت ہے۔ اس کے ہر

کمرے میں الگ الگ رنگ ہے۔ ہر کمرے کی تین دیواروں کا رنگ ایک سا اور چوتھی دیوار کا رنگ جدا ہے کہ یہی تازہ ترین فیشن ہے۔ ان کے پاس، دو ٹیلی وژن اور دو ریڈیو سیٹ ہیں۔ ایک بڑی سی نئی کار ہے۔ وہ خود اسکول میں پڑھاتی ہیں۔ ان کے گھر میں ایک آیا ہے جو بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ ایک پاکستانی خانساماں ہے جو بہت اچھا کھانا پکاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ وہاں پاکستانی خانساماؤں اور درزیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کرنل سیف کو اس چیز کا بہت زیادہ احساس تھا کہ دوسرے ملک کی کسی چیز کی برائی نہ کریں مگر شہرزاد کو جو بات پسند نہ آتی، جھٹ سے کہہ گزرتیں۔ اس سے ہم میں دوستی اور بے تکلفی کا ایک خاص رشتہ قائم ہوا جو رجی طور پر ایک دوسرے کے ملک کی تعریفوں سے بلند تھا۔ شہرزاد کو کوئٹہ کی خاموش زندگی ذرا پسند نہیں تھی۔ وہ اپنے بغداد کی چہل پہل کو یاد کر کے اداس ہو جاتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں ان کا دل کوئٹہ تو کوئٹہ کراچی میں بھی نہیں لگا۔ وہ جب بور ہوتیں تو کہتیں، "اب اگر سیف جنت میں بھی کورس کرنے گئے تو میں ساتھ نہیں جاؤں گی۔" دوسری شکایت پاکستان سے انھیں یہ تھی کہ یہاں باہر کی چیزیں نہیں ملتیں۔ وہ انگریزی اور فرانسیسی کپڑے جن سے ان کی بغداد کی دوکانیں بھری ہوئی تھیں، وہ لپ اسٹک اور نیل پالش جن کے فیشن جیسے ہی پیرس سے نکل کر بغداد پہنچتے وہ چیزیں بھی وہاں پہنچ جاتیں۔ میں نے انھیں بتایا کہ یہاں باہر کی چیزیں اس وجہ سے نہیں آتیں کہ ہم پاکستانی مصنوعات کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کی چیزیں باہر کی چیزوں کا مقابلہ کرنے لگیں گی۔ پاکستان صنعتی لحاظ سے کہیں کا کہیں جا پہنچے گا اور عراق جہاں ہے وہیں رہے گا۔" اس بات کو انھوں نے بہت غور اور دلچسپی سے سنا۔ شاید ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ غیر ملکی چیزیں استعمال نہ کرنے یا نہ منگوانے کی اتنی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد میں نے انھیں کبھی اس بات کی شکایت کرتے نہیں پایا بلکہ میں نے دیکھا کہ پاکستانی مصنوعات میں ان کی دلچسپی روز بروز بڑھنے لگی۔ انھوں نے گھر کی آرائش کے لیے بہت سی چیزیں یہاں سے خریدیں۔ انھی دنوں اتفاق سے کوئٹہ میں صنعتی نمائش ہو گئی۔ اس میں وہ چیزوں کی خرید میں اس قدر محو ہو جاتیں کہ ہم سب کو چھوڑ کر ایک سے دوسری دوکان پر لپک جاتیں اور ہمیں بھیڑ میں دقت سے انھیں تلاش کرنا پڑتا۔ جب بھی وہ ہمیں ملیں کسی نہ کسی دکان پر چاندی کے زیورات یا کانچ کی چوڑیاں خریدتی ملیں۔ ان کے ہنس مکھ میاں ان کی اس حرکت پر مسکرا کر صرف اتنا کہتے، 'ہر جگہ کی عورتیں ایک سی ہوتی ہیں۔'

انھیں دنوں شہرزاد پر انکشاف ہوا کہ یہاں چیزیں بغداد کے مقابلے میں بہت سستی ہیں۔ گرم کپڑوں کی سلائی پر تو وہ منہ پھاڑ کر رہ گئیں اور میاں کے احتجاج کے باوجود اپنے اور بچوں کے گرم کپڑے سلوانے شروع کر دیے۔ ان کا کہنا تھا کہ جتنے پیسوں میں یہاں کپڑے اور سلائی دونوں کا خرچ نکل آئے گا، وہاں صرف سلائی بھی اس سے زیادہ ہو گی۔ اب انھیں دوکان داروں سے نمٹنا بھی خوب آ گیا تھا۔ چیزوں کے دام اس قدر کم بتاتیں کہ دوکان دار کے ساتھ ہم بھی ان کا منہ دیکھنے لگتے۔ شیشے کے کام کے خوب صورت کشن، پچاس روپے جوڑے کو انھوں نے بیس روپے سے شروع کیا۔ میں نے کہیں دوکان دار سے کہہ دیا کہ یہ تو تمھارے سامان کی پبلسٹی ہو رہی ہے، یہ چیزیں عراق جائیں گی۔ اس بے چارے نے یہ جوڑا انھیں آدھی قیمت پر دے دیا۔ اب تو وہ میری بے دام غلام ہو گئیں۔ ہر ایک سے کہتیں کہ جانے انھوں نے اردو میں کیا منتر پھونکا کہ یہ کشن مجھے سستے مل گئے۔ اب وہ اس کوشش میں رہتیں کہ ہمیشہ شاپنگ میں مجھے اپنے ساتھ رکھیں، میں وہ منتر پڑھتی جاؤں اور انھیں چیزیں سستی ملتی جائیں۔

ان کے دو بے انتہا شریر بچے تھے، سعد اور سنان۔ دو فتنے کہہ لیجیے۔ سعد ڈیڑھ پسلی کا کمزور سا بچہ تھا، کل تین سال کا، مگر کس قدر شریر، کس قدر مضبوط۔ اپنی سے دگنی عمر کے بچوں کو وہ چیلنج دیتا کہ وہ روتے ہوئے ماؤں کے پاس بھاگ جاتے۔ ہر وقت اپنی عمر سے بڑے بچوں میں گھس کر ان کا کھیل بگاڑا کرتا۔ وہ اس سے چھپتے پھرتے۔ اپنے ٹکٹ اور البم اٹھائے کسی کمرے میں چھپ کر دروازہ بند کر لیتے۔ سعد تلاش کرتا وہاں پہنچ جاتا اور پھر دروازے سے لپٹ کر یوں دھاڑتا کہ سارے ہوٹل کو پتا چل جاتا۔ مجبوراً بچوں کو دروازہ کھول کر اس کی شرارتوں کا نشانہ بننا پڑتا۔ کبھی کبھی وہ تنہا ہی شرارت پر تل جاتا۔ شرارت بھی کیسی خطرناک! ایک دن جو ہماری نظر پڑی تو آپ چھت کے آگے چھجے پر ایک بڑا ڈنڈا لیے یوں چہل قدمی فرما رہے تھے جیسے کوئی عراقی جنرل اپنی فوج کی کمان دیکھ رہا ہو۔ یہ جگہ اتنی پتلی اور اتنی اونچی تھی کہ حضرت گر جاتے تو ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ سنان صرف ڈیڑھ سال کا تھا مگر اس کی ٹکریوں کی مار سے شاید ہی کوئی بچا ہو اور اس کے ہاتھ سے شاید ہی کسی عورت کی چوٹی بچی ہو۔ چپکے چپکے پیچھے سے آ کر یوں بال پکڑتا کہ جب تک امی آ کر دو چار دھپ نہ لگائیں کیا مجال کہ چھوڑ دے۔ وہ جب پاکستان آیا تو اسے بولنا نہیں آتا تھا۔ اب جو باتیں کرنا سیکھیں تو مادری زبان کا اسے ایک لفظ بھی نہ آتا تھا۔ آیا اور بیرے اسے پنجابی سکھا رہے تھے۔ ساتھ کھیلنے والے بچوں سے اردو اور انگریزی کے الفاظ سیکھ رہا تھا، پنجہ سٹ کہنے پر ہاتھ ملاتا تھا۔ مچھلیوں کو مچھی کہتا تھا۔ چلنے کو وا کی وا کی۔ آؤ جاؤ وغیرہ بہت سے چھوٹے چھوٹے الفاظ اسے آتے

تھے۔ حق یہ ہے کہ سعد اور ستان کرنل سیف اور شہرزاد دونوں سے زیادہ اردو سمجھ لیتے تھے۔

پاکستان میں ہی لیفٹیننٹ کرنل سیف کے فل کرنل ہونے کے احکام آئے اور چند دن بعد شہرزاد کی امی نے کسی کے ہاتھ خالص سونے کے تاج بنوا کر بھجوائے جو وردی میں کاندھوں پر لگائے جاتے ہیں۔ شہرزاد نے فخریہ بتایا کہ ان کے میاں جنرل قاسم کے رائٹ ہینڈ ہیں۔ انھوں نے ہمیں عراق کے انقلاب کا حال سنایا۔ شاہ فیصل کے سفاکانہ قتل کو تو وہ ضرور ناپسند کرتی تھیں، باقی انقلاب انھیں بے حد عزیز تھا۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ جس دن جنرل قاسم نے بغداد پیکٹ سے نکلنے کا اعلان کیا، تمام بغداد میں خوشیاں منائی گئیں۔ آدھی رات کو اسکول کے بچے سڑکوں پر گاتے ہوئے نکلے۔ یہ اپنے مکان کی کھڑکی سے سارا منظر دیکھتی رہیں۔ یہ سب اتنا حسین لگ رہا تھا کہ ان کا دل چاہا وہ بھی سڑک پر ان بچوں کے ساتھ گاتی پھریں؟

آج ہم برٹش استعمار سے آزاد ہیں

'برٹش استعمار' جلد ہی ہماری روز مرہ کی گفتگو میں ایک خاص اصطلاحی لفظ بن گیا۔ ہمارے ہاں کی بہت سی باتوں کو وہ 'برٹش استعمار' کے نام سے یاد کرتیں، ہم ان کے مغربی طرز زندگی اور طرز احساس کو 'برٹش استعمار' کہتے ہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر روز یا وہ ہمارے پاس آجاتیں یا ہم تین چار خواتین ان کے پاس چلی جاتیں۔ باہر لان میں بیٹھ کر سوئٹر بنتے ہوئے گپ شپ چلتی رہتی۔ بڑے خلوص سے شہرزاد ہمیں ٹرکش کافی پلاتیں جو زبان دراز عورت کے مزاج سے بھی زیادہ تیز اور تیکھی ہوتی۔ شہرزاد ٹرکش کافی کو شاید دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتی تھیں۔ میرے خیال میں یہ کافی پینا اور لوہے کے چنے چبانا برابر تھا۔ مگر ان کی خاطر ہمیں یہ زہر بھی پینا پڑتا۔ انھیں دنوں انھوں نے ایک مزے دار قصہ سنایا۔ ان کی امی حج کرنے جانے لگیں تو چھوٹی بیٹی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا۔ سب بڑے بہن بھائیوں نے جا کر ماں کو سمجھایا کہ اماں غضب کرتی ہو، یہ اس بے چاری کے حج کرنے کے دن ہیں۔ چنانچہ ماں اس کو ساتھ نہ لے جانے پر راضی ہو گئیں۔ انھوں نے وہ پیسہ جو بیٹی کو حج پر لے جانے کے لیے خرچ ہوتا اس کے ہاتھ پر رکھ دیا جس سے اس نے ایک کار خرید لی اور جب اماں حج سے لوٹیں تو وہ اسی کار میں انھیں لینے گئی۔

''مگر آپ نے اسے حج پر جانے سے کیوں روکا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اس لیے کہ جو عورت حج کر آئے وہ ہماری طرح بغیر آستین کی فراک نہیں پہن سکتی، کھلے گھٹنوں نہیں پھر سکتی۔ اس کے لیے ٹخنے کا لباس، پوری آستین کی قمیض پہننا اور سر ڈھکنا لازم ہو جاتا ہے۔ بھلا اس بچی پر یہ ظلم کرنا اچھی بات تھی۔''

وہ دوڑ کر اندر گئیں اور اپنی چھوٹی بہن کی تصویر لا کر دکھائی۔ یہ بچی ان کے کہنے کے مطابق بیس پچیس سال کے درمیان تھی اور بینک میں ملازم تھی۔ بے حد خوبصورت ناک نقشہ، بال کٹے ہوئے، بغیر آستین کا چست لباس پہنے ہوئے اپنی کار کے نزدیک کھڑی مسکرا رہی تھی۔

ہفتے میں ایک روز شہرزاد عراقی کھانا پکاتیں اور ہم سب کو بانٹتیں۔ جب ہم ڈائننگ ہال میں پہنچتے تو انگور کے پتوں، ٹماٹر اور پیاز میں بھرے ہوئے ڈھیر سے چاولوں کی پلیٹ ہم سب کی میزوں پر پہلے سے رکھی ہوتی۔ کھانے کے بعد ہم ان کا شکریہ ادا کرتے اور تعریف کرتے۔ مگر حق یہ ہے کہ ایسی ساری پلیٹوں کا کھانا بے چارے بیرے ہی کھاتے۔ ہر چیز کی طرح کھانے کی بھی ایک عادت ہوتی ہے، اکثر زبان نئی چیز کے ذائقے کو اتنی جلد قبول نہیں کرتی۔ جب بھی اتوار کے دن ہم کرنل سیف کو انگور کے پتے توڑتے دیکھ لیتے پہلے ہی سے ایک دوسرے کو خبردار کر دیتے۔ ہفتے میں ایک دن رات کا کھانا وہ لوگ 'فرح' یا 'چائنیز' میں کھاتے۔ یہ شاید ان کے نزدیک بغداد کی سوشل زندگی کا بدل ہو۔ ایک روز جب ہوٹل میں پارٹی ہوئی تو شہرزاد بچوں کی طرح خوش تھیں۔

'آئی لائک پارٹی۔' وہ بار بار کہتیں۔ رات گئے تک سیاہ شال لپیٹے باہر بیٹھی وہ گانے سنتی رہیں جن کا شاید ایک لفظ بھی ان کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

ایک روز ناشتے کے بعد جب ہمارے کمرے کے آگے محفل جمی تو شہرزاد نہیں آئیں۔ بلوایا گیا تو انھوں نے کہلوا دیا کہ وہ مصروف ہیں، نہیں آ سکتیں۔ ہمیں تشویش ہوئی کہ جانے کیا بات ہے۔ جا کر دیکھا کہ شہرزاد ریڈیو سے کان لگائے بیٹھی ہیں۔ معلوم ہوا شام میں انقلاب آ گیا ہے۔ اس نے مصر سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ جنگ ہو رہی ہے اور وہ تازہ بتازہ خبریں سن رہی ہیں۔ کئی دن تک وہ اسی طرح ریڈیو سے کان لگائے بیٹھی رہیں اور شام کو ہمیں اہم خبریں سنایا کرتیں۔ انھیں دنوں ایک رات کھانے کے بعد ہم ان کے کمرے میں گئے۔ ہمیں ٹرکش کافی پلائی گئی جو ہم نے ڈھیر سے دودھ کے ساتھ چینی منظور کی حالانکہ وہ لوگ اس میں دودھ ڈالنا بدمذاقی سمجھتے تھے۔ اس دوران میں سعد اور ستان نے وہ شرارت کی کہ بات کرنا دشوار ہو گیا۔ دیکھتے دیکھتے سارے عربی رسالے، اخبار اور کھلونے فرش پر بکھر گئے۔ آپس کی لڑائی سے فرصت ملتی تو ستان کبھی اپنے

گلاس کی کافی بابا کی پیالی میں انڈیل دیتا، کبھی بابا کی پیالی کی کافی امی کی پیالی میں ڈالنے کی کوشش کرتا جو میز پر گر جاتی۔ رات کو ان کی آیا چلی جاتی تھی۔ اس لیے اس وقت ان کو قابو میں کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ شہرزاد تنگ آ کر دونوں کو دوسرے کمرے میں چھوڑنے گئیں تو وہ ان کے واپس آنے سے پہلے پھر یہاں موجود تھے۔ یہ دیکھ کر وہ عربی میں جلدی جلدی بچوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ کرنل بڑے رسان سے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے اور بچوں کی طرف اشارہ کر کے ہم سے بولے "دیکھا آپ نے ہم عربوں کا خون کتنا گرم ہوتا ہے۔ تبھی تو ہمارے ملک میں اتنے انقلاب آتے ہیں۔"

انھوں نے ٹھیک کہا تھا، اس بات کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد 8 فروری 1963 کو عراق میں انقلاب آیا۔ بغداد پر جنگی طیارے اڑے۔ وزارت دفاع پر بم برسائے گئے۔ جنرل قاسم اور اس کے چار ساتھیوں کی نعشیں ٹیلی وژن پر دکھائی گئیں جنھیں ایک بند کمرے میں مقدمے کے بعد شوٹ کر دیا گیا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق اس جنگ میں چھ ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ سب سے پہلے جب ریڈیو پر میں نے اس خونی انقلاب کی خبر سنی تو میرا خیال ایک دم کرنل سیف تک پہنچا جو ان کی بیگم کے کہنے کے مطابق جنرل قاسم کے رائٹ ہینڈ مین تھے۔ کیا ان چھ ہزار قاسم کے حامیوں میں کرنل سیف نہیں ہوں گے؟ یہ سوچ کر میرا دل کانپ اٹھا۔ انسانی فطرت بھی کتنی عجیب ہے۔ چھ ہزار افراد صرف ریاضی کا ایک ہندسہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی موت اس ایک کنبے کی موت سے کہیں کم محسوس ہوتی ہے جسے آپ نے نزدیک سے دیکھا ہو جن سے آپ نے محبت کی ہو اور جن کے ساتھ اچھا وقت گزرا ہو۔

مجھے خیال آیا، کاش شہرزاد اس وقت اپنے کنبے کے ساتھ پاکستان میں ہوتیں! یہ ملک ضرور ان کو اپنی پناہ میں رکھتا۔ یہ ملک جہاں ان کا دل نہیں لگتا۔ جہاں لوگوں کے دو دو ٹیلی وژن اور ریڈیو سیٹ نہیں ہیں، جہاں ہر روز جشن نہیں ہوتے اور جہاں غیر ملکی چیزوں کے ڈھیر نہیں ہیں وہاں کم از کم ہر ایک کی جان محفوظ ہے، جہاں انقلاب خون کی آندھی اور طوفان بن کر نہیں، ہیک رو میٹھی ندی کے مانند چپکے سے آ جاتے ہیں۔

میرے پاس ان کا پتا محفوظ ہے اور وہ کارڈ بھی جو کرنل نے ہمارا شکریہ ادا کرنے کے لیے بغداد سے بھیجا تھا۔ الف لیلیٰ کا بغداد! کارڈ میں دور دریائے دجلہ پر پل جمہوریہ نظر آ رہا ہے۔ اس پر سے گزر کر آنے والی سڑک کے ایک طرف نیا بغداد ہے اور ایک طرف پرانا بغداد، ایک طرف نئی عمارتوں میں کھڑکیاں ہی کھڑکیاں نظر آ رہی ہیں اور ان کے سامنے میدان میں ان گنت کاریں کھڑی ہیں۔ دوسری طرف پرانی سرائے کے انداز کی ایک عمارت ہے جس کی محرابوں اور ستون کے اندر سے تاریکی جھانک رہی ہے۔ اونچے چپ چاپ کھڑے درختوں کے سائے میں ایک بوسیدہ سی مسجد ہے۔ اس کارڈ میں کرنل کی لکھی ہوئی انگریزی مضحکہ خیز ہے مگر اس سے بوئے خلوص وفا آتی ہے۔ شہرزاد نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا، یہ معاہدہ پہلے ہی ہو گیا تھا کہ ہم خط و کتابت نہیں کریں گی کیونکہ شہرزاد نہ انگریزی لکھ سکتی تھیں نہ اردو اور مجھے عربی نہیں آتی۔ میرے پاس ان کی وہ تحریر آج بھی موجود ہے جو چلتے وقت انھوں نے لکھ کر اور خود ہی ترجمہ کر کے مجھے سنائی تھی۔ "پاکستان کے یہ شب و روز اور پاکستانیوں کا خلوص و محبت کبھی نہیں بھولوں گی۔ ہم نے ان کے ساتھ بہت اچھے دن گزارے۔ مجھے 'فرح' کی آئس کریم اور 'چائنیز' کا چکن بھی بہت یاد آئے گا اور وہ اکلوتی پارٹی جو ہوٹل میں ہوئی تھی۔ اور میں پاکستانیوں کا وہ تلفظ بھی کبھی نہیں بھولوں گی جس میں وہ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے الفاظ ادا کرتے ہیں۔"

دل چاہتا ہے اپنا معاہدہ توڑ کر شہرزاد کو خط لکھوں اور ان کی خیریت پوچھوں، پھر سوچتی ہوں کیوں نہ میں یہ تصور کیے رکھوں کہ وہ سب خیریت سے ہیں اور خوش ہیں۔ زندگی بھر اس سے ملنے کا امکان تو یوں بھی نہ تھا۔ پھر کیوں نہ ہم انھیں اپنے حافظے میں زندہ سلامت رکھیں، زندگی کے لیے ضروری تو نہیں کہ جسم بھی ہمارے سامنے ہو۔

(ماخوذ از: اردو کے مختصر افسانے، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل پبلشنگ، دہلی)

فرہنگ آصفیہ

فاطمہ صائمہ۔ آپ بہت بڑی مرتاض و عارفۂ زمانہ تھیں۔ شیخ فرید الدین گنج اور شیخ نجیب الدین کی دینی بہن تھیں۔ ۱۹ شعبان ۶۴۳ھ کو رحلت فرمائی۔

آپکا مزار پرانی دہلی میں میا دروازے کے باہر نخاس کے قریب واقع ہے۔ آپ کی نسبت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا، قدس سرہ لکھتے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورتوں کو خلافت جائز ہوتی تو میں فاطمہ صائمہ کو اپنا خلیفہ کرتا۔ حضرت سلطان جی کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ اور اپنے ہاتھ سے سوت کات کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کا غلاف بنایا تھا جو اب تک موجود ہے۔ اور عید و بقرہ عید کو پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی گزران سوت کاتنے پر تھی۔

رخشندہ روحی مہدی

جو کوئے یار سے نکلے۔۔۔

'چھن' سے گدلے پانی میں ایک کنکر گرا۔۔ننھا سا گول گول دائرہ بڑا ہوتا رہا اور اس دائیرے کے بیچوں بیچ میرا تنہا چہرہ بگڑا اور پھر بن گیا۔

میں روز صبح 7 بجے جمنا کے کنارے جاگنگ کرتی ہوں۔ اپنا عکس پانی کی سطح پر بنتے بگڑتے دیکھتی ہوں۔۔دن بھر کی مصروفیات کی فہرست بناتی ہوں۔۔آج بھی کتنے کام ہیں! مما کے ساتھ ناشتہ، آفس کے لئے تیاری اور پھر آفس میں سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں۔۔شام ڈھلے گھر واپسی۔ لیپ ٹاپ پر اگلے دن کے پراجیکٹ کی تیاری۔۔انٹرنیٹ کے ذریعہ ٹیلیفون، پانی اور بجلی کے بلوں کی ادائیگی،۔ مما کا فوڈ چارٹ اور اسکی فراہمی۔ مما کے طے شدہ ٹائم ٹیبل کی پابندی۔ مما کا ہر کام وقت پر قرینے اور قائدے سے۔

پاپا مما کے بالکل الٹ۔ کالے موٹے فریم کے شفاف شیشوں کے پار جھانکتی بڑی بڑی خاموش ذہین آنکھیں۔ سفید کم اور کالے زیادہ سٹریٹ سلکی بال۔ جو ماتھے کے اوپر اکثر گر آتے۔ سنہرے گیہوں کا رنگ، کھڑی اونچی ناک، ترشی ہوئی باریک مونچھیں۔ سفید رنگ کی شرٹ اور ہلکے رنگ کی پینٹ۔

آہستہ روی، خاموشی، بردباری اور کتابوں سے دوستی۔۔مما کی ہر بات کا جواب صرف آنکھوں سے دینا۔ مما کی پسند کے کپڑے، مما کے خیالات کی پاسداری، مما کی ڈانٹ کو بردباری سے سن لینا۔ گھر سے باہر جاتے ہوئے مما کی ہدایات پر عمل کرنے کی خاموش یقین دہانی۔ آدھی رات کو گھر واپسی پر مما کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھنا۔ اور سر جھکا کر بیڈروم میں نائٹ لیمپ آن کر کے کچھ لکھنا۔۔کچھ پڑھنا۔

مما اکثر کہتی ہیں "تم لوگ کیا جانو محبت؟ آج کے ہائی ٹیک زمانے کی پیداوار! اس تیز رفتار دور میں محبت کے تمام جذبے برقی ترنگوں کی طرح بھاگم بھاگ میں لگے ہیں۔ اب کوئی ایسی محبت نہیں کرتا۔ تمہارے پاپا مجھے منانے کے لئے بھرے بازار میں میرے رکشہ کے پیچھے دوڑ گئے تھے۔۔اور رکشہ سے اتار کر منا لیا تھا۔ تمام لوگوں کے ہجوم میں کیا منع کرتی میں شادی کے لئے۔۔"

پھر کیا ہوا کہ۔۔مما اور پاپا الگ ہو گئے۔۔میں بیچ سے بٹ گئی دو ٹکڑوں میں۔۔آدھا مما کے پاس۔۔آدھا پاپا کے ساتھ۔ کورٹ نے طے کیا تھا کہ میں مما کے ساتھ رہوں گی۔۔پر میں۔۔گھر میں مما کے ساتھ اور دل میں پاپا کے پاس رہنے لگی۔

میں مما کے بہتے آنسو تکیہ میں جذب ہوتے دیکھتی۔۔مما سے رانی لکشمی بائی کی ویرتا کی کہانی سنتی اور سوچتی مما واقعی ایک بہادر عورت ہیں۔ انکو اپنا دکھ کہنے کے بجائے سہنے سے سکون ملتا ہے۔ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میں رو رو کر چلا کر پاپا کو بلا لاؤں اور مما کا بھیگا تکیہ انکے سامنے کر دوں۔ شائد پاپا لوٹ آئیں؟

مما نے مجھے ڈھیری کہانیوں کی کتابیں لا کر دیں۔۔پریوں کی یا راجا رانی کی ایک بھی کہانی نہ تھی۔۔سب کی سب بہادر اور جانباز عورتوں کی کہانیاں۔ انہیں پڑھتے سمجھتے میں گیارہویں کلاس میں پہنچ گئی۔ مما کی محنت اور وقت کی پابندی سے کلاس میں اول آنے کے ساتھ میں اپنے اسکول کی فٹبال ٹیم میں گول کیپر بن گئی۔

انٹر ہاؤس فٹ بال میچ کے دن۔۔میں اسکول کے لڑکوں کو دوڑاتی ہوئی گول پوسٹ کی طرف بھاگ رہی تھی کہ۔۔کالے چھلے دار بالوں کے بڑے سے سر والا لڑکا میرے سامنے آ گیا۔۔فٹ بال میرے پیر سے لگنے سے رہ گئی۔ دل تو چاہا کہ اسکا منہ نوچ لوں اپنے لمبے ناخونوں سے۔۔وہ ہانپتا ہوا میرے سامنے رکا۔ اپنی پسینے سے بھیگی ٹی شرٹ کے اندر سے ایک لفافہ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔۔وہ جلدی سے بولا۔ "۔۔آئی ایم ویری سیریس ٹوڈے" میں نے غصہ سے لفافہ چھین لیا۔ گراؤنڈ میں ہلکا سا شور اٹھا۔۔میں نے اپنے ٹی شرٹ کے اندر لفافہ ایسے ہی چھپا لیا۔۔جیسے اس نے چھپایا تھا۔۔اسکے ان ہائجینک پسینے سے مجھے گھن نہیں آئی۔

لنچ پر مما نے کئی بار ڈانٹا ''پہلے چینج کرلو۔۔نیپکن سے اپنے ہاتھ صاف کرو۔کانٹا بائیں ہاتھ میں۔۔۔کھانا پورا کرو۔۔'' لفافے کے اندر بند پھڑ پھڑاتے دل کی دھم دھم میں کوئی دوسری آواز کیسے آتی۔۔

''مما آئی ایم ویری ٹائرڈ'' کھانا پلیٹ میں چھوڑ میں اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔

اے سی کا سوئچ آن کر کے گلے میں ہاتھ ڈالا۔۔ٹی شرٹ کے اندر دھڑکتا سنہرا لفافہ اور اسمیں ایک کارڈ۔۔ایک خزاں رسیدہ گھنا پیڑ۔۔جسکی ادھ ننگی شاخیں۔۔پتوں کو جدا کرنے کے عمل سے گزر رہی تھیں۔ پیڑ کے قدموں میں اسکے ٹوٹے ہوئے پیلے پتوں کا ڈھیر لگا تھا۔۔بے رحم ہوا پتوں کو اڑائے لیے جاتی تھی۔۔سارا ماحول بے حد رنجیدہ تھا۔اور ابھرے ہوئے الفاظ میں لکھا تھا۔''اف آئی ایورفال ڈاؤن۔۔اٹ ول بی۔۔اونلی وِد یو۔''

آکسفورڈ لرزس ڈکشنری میں اس کارڈ کو سیدھا رکھ دیا۔۔لفافے میں بند کر کے۔اور ڈکشنری کو اوٹی کوٹ کی تہہ میں۔۔فنائیل کی گولیوں کی تیز بو کے درمیان دبا دیا۔

ڈنر پر مما نے میرے چہرے کو چشمے سے پڑھنے کی کوشش کی۔۔مگر مما کے چشمے میں آجکل کے ہائی ٹیک پیار جیسے کمزور احساس کو دیکھنے کی پاور نہیں ہے۔۔

مما کے ساتھ ٹی وی پروگرام دیکھتے ڈنر کیا۔۔ایسے ہی معمول تھا۔مگر کچھ پھڑ پھڑا رہا تھا۔۔شائد سینے میں۔۔یا گردن میں۔۔یا پیٹ میں۔۔یا وہی 'بٹر فلائیز ان مائی اسٹمک'۔۔جو مما سے چھپ کے پڑھی گئی لو اسٹوری میں ہیروئن کے پیٹ میں پھڑ پھڑاتی ہیں۔

رات ہوتے ہی۔۔کارڈ کھول کر ایک بار اور پڑھا۔۔ابھی تو ساتھ رہنے کی قسمیں بھی نہیں کھائیں۔۔تو ساتھ میں مرنے کا وعدہ؟ معلوم نہیں۔۔شائد آجکل کی محبت میں ایسے ہی ہوتا ہوگا۔۔

میں منڈے کو اسکول جاؤنگی تو پوچھونگی۔۔۔دل میں تیر چبھا ہوا اور رستے ہوئے تین موٹے سرخ قطرے۔۔اور آلو یو لکھا ہوا۔۔یہ کیوں نہیں دیا؟ یہ ایک بات ضرور پوچھونگی۔مگر میں اگلے روز اسکول نہ جا سکی۔ مجھے وائرل ہوگیا۔۔بخار کی تیزی سے آئے پسینے سے بھی مانوس سی بو ہلکی نہ پڑی۔نہ ہی فنائیل کی گولیاں کارڈ پر اپنا اثر ڈال سکیں۔۔پیٹ میں تتلیاں الگ طوفان اٹھائے رہتیں۔۔

آٹھ دن بعد۔۔میں اسکول گئی۔۔اسکا حلیہ بتا کر اپنے کلاس میٹس سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ بھی گیارہویں کا ہی اسٹوڈینٹ ہے مگر سیکشن ڈی کا۔لنچ بریک میں اسکی کلاس میں ڈھونڈا۔۔وہ نہیں آیا تھا۔

اس نے ٹی سی لے لی تھی۔۔

ڈکشنری میں ہر صفحہ پتوں کے گرنے کی آواز سے کھلتا اور بند ہو جاتا۔۔مما کی خریدی کتابیں رات دیر تک میں پڑھتی۔۔زیادہ تر انگلش ادب کی سرفروش عورتیں۔۔اور ہندوستان کی بہادر ناریاں۔۔جنکے دل میں نازک احساسات کی جگہ پتھر کی سلیں رکھی تھیں۔۔

مما کی محنت اور آئیڈ لزم کی بدولت ڈرائینگ روم کا وال یونٹ میرے ہر سال کے بیسٹ اسٹوڈینٹ کی ٹرافیوں سے جگمگا گیا۔مما نے مجھے طاقتور بنانے میں پوری قوت لگادی۔۔کانوینٹ اسکول سے انٹر پاس کر کالج پہنچ گئی۔یو پی ایس سی کے امتحان کی کوچنگ کرائی۔لیکن میں امتحان پاس نہ کرسکی۔۔مما کی آنکھیں بار بار بھرتی رہیں پر چھلکنے سے پہلے ہی واش بیسن کا نل زور سے کھل جاتا۔۔۔مما نے کئی تولئے بدل لئے۔۔ میں صرف بی کام کرسکی۔ میں رانی لکشمی بائی نہ بن سکی۔مما کی ساری ریاضت ساری امیدیں ساری کاوشیں بھاپ بن کر گھر کی فضا کو مزید بوجھل کرنے لگیں۔

یہ بوجھل فضا قدرے سہل ہوئی۔مما کی بڑی بہن امریکہ سے آگئیں۔اپنے بے حد اسمارٹ بیٹے کے ساتھ۔۔مجھ سے 13 سال بڑے۔مگر ہائی اسٹیٹس والے۔ناسا میں سائینٹسٹ۔گرین کارڈ ہولڈر۔

ایک مہینہ رہنے کے بعد خالہ جان نے مما کو منا لیا۔اور مما نے مجھے۔۔۔سکون سے سمجھایا۔۔۔''تم خود کچھ نہ بن سکیں۔۔اب یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دو''۔خوب شور شرابے کے ساتھ ہماری شادی ہوگئی۔پاپا نکاح میں آئے تھے۔۔گرے بال بالکل سفید ہوگئے تھے۔کالے چشمے کے شفاف شیشے اور موٹے ہوگئے تھے۔آنکھوں کی نم نم چمک کہہ رہی تھی کہ وہ ہم سے دور بھی نہ رہے۔۔

رخصت ہو کر مجھے اپنے پاپا کے بیڈ روم میں جانا تھا۔۔اسلئے پاپا رخصتی سے پہلے ہی چلے گئے۔۔کیونکہ انکی حد سے باہر تھا وہ بیڈ روم۔جسمیں مما پاپا نے 11 سال ساتھ ایک بستر پر الگ الگ کروٹ سو کر بتائے تھے۔۔

2 ماہ ہندوستان کے بڑے شہروں کی خاک چھان کر ہم تھک چکے تو خالا جان اور اظفر امریکہ واپس ہوئے۔۔میں نے ایم اے جوائن کرلیا۔پانچ سال رکتے۔۔رکتے۔۔بھاگ ہی گئے۔۔نہ میرا ویزا آیا اور نہ کوئی خیر خبر۔۔فون پر مما کی سخت ڈانٹ کو سن کر ایک ای میل آیا اور اظفر اور میں رشتوں کی کچی ڈور کے چھور۔۔اپنی بند مٹھی سے ہوا کے بہاؤ پر چھوڑ کر اپنے راستوں پر چل پڑے۔۔سمجھ میں نہیں آیا کہ رشتوں کی اس

اکڑی ہوئی نیلی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دوں۔۔ یا اسٹینلس کے بلند وبالا منبر پر چڑھ کر اپنی ہائی کلاس پوزیشن کا جشن مناؤں۔۔

مما نے طلاق کے ای میل کا پرنٹ آؤٹ میرے ماتھے سے چپکا دیا۔ ''اب مزید طاقت ور ہوگئی ہو۔ مجھے دیکھو تمہارے پاپا سے علاحدہ رہ کر میں نے کبھی کسی مرد کی ضرورت محسوس نہ کی۔ تم ایک کوالیفائڈ کھلے ذہن کی انٹیلجنٹ عورت ہو۔ کسی کی مصنوعی محبت تمہیں کیا دے سکیگی ؟ میں نے آپا کی باتوں پر نہ جانے کیوں یقین کیا۔۔ کہیں سرکاری دفتر میں نوکری مل جائے گی ۔نہیں ملیگی تو ۔۔دلوا دوں گی۔'' اور مما نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ سرکاری دفتر میں اپنے رسوخ سے مجھے اکنامسٹ کا عہدہ دلوا دیا۔

ہمارا گھر آفس سے خاصہ دور تھا۔ پہلے کار سے میٹرو اسٹیشن اور پھر میٹرو سے آفس۔ ۳ بجے بھاگم بھاگ گھر آتی اور مما کے ساتھ لنچ کرتی۔

آج بھی وہی سفید شلوار فیروزی کرتا اور سفید دوپٹہ۔۔ جسکے پلو مما نے کرشئے سے بن کردئے تھے۔۔ میٹرو ٹرین میں چڑھتے وقت ٹرین کے خودکار دروازے میں آگیا۔ میں نے کھینچ کر دوپٹہ پوری طاقت لگا کر کھینچ لیا۔

''ڈونٹ بی چایلڈش'' میرے کان میں سرسراہٹ ہوئی۔ میں گھبراہٹ میں اسے ایک ٹک گھورتی رہی۔ میرے دوپٹہ کا کنارا مما کے پیار واعتماد سے بنے پلو سے الگ ہوگیا۔۔ میں ٹرین کے رکتے ہی اتر گئی اور واپس گھر جانے والی ٹرین میں سوار ہوگئی۔

اگلے دن وہ۔۔ ہاں وہ ہی ۔۔ ٹرین کے باہر ہی کھڑا تھا۔ میں نے دوبارہ اسے دیکھا۔ کافی گہرا رنگ ۔۔ بے حد معمولی چہرا۔۔ لمبا اور دبلا۔۔ ادھیڑ عمر۔ سوکھے بکھرے بدرنگ بال۔ کوئی خاص بات نہ تھی کہ میں اسے تیسری بار دیکھتی۔ اسنے میرے لئے ادب سے راستہ چھوڑا۔ میں پہلے اور وہ بعد میں ٹرین میں چڑھا۔

میرے لئے خالی سیٹ موجود تھی ۔ میں بیٹھ گئی ۔ وہ مجھے چوری چوری دیکھتا رہا۔

اب تو روز یہی ہونے لگا۔۔ وہ ایک ہی رنگ پہنتا۔۔ زرد۔ خزاں رسیدہ زمین دوز پتوں والا۔۔ لمبا کرتا۔۔ بے حد خاموش خاموش ۔۔ اور مما کی زبان میں نااہل اور سست! میرے دوپٹے پر وہ نظریں جمائے رہتا۔۔ اور ایک دن۔۔ وہ مسکرایا۔۔ مسکراتا رہا ہر روز پہلے سے گہرا!

مما اس بار میں سفید شلوار نہ لونگی۔'' ''کیوں''

''وہ۔۔ زرد سنہری''

''کیا وہ طبلہ بجانے والوں کی پوشاک'' نہ نہ تم پر سوٹ نہیں کرے گی۔

میں کیا ہوں مما تو پاپا کے کپڑے بھی اپنی پسند سے لاتی تھیں۔ ان کی بھی آواز کب نکلتی تھی ۔۔ میں نے فائین آرٹس لیا تھا مگر مما نے ایکنامکس دلوادیا۔ مما کی لاکھ کوشش سے میرا دل ارمانوں سے خالی کیا جاتا رہا مگر ۔۔ اس عام سے آدمی نے دل کے خالی کرائے گئے کونے پر ناجائز قبضہ جما لیا۔

'مما آج کچھ لوگوں کے لئے ویلکم پارٹی ہے آفس میں۔ آپکی وہ آرنج بنگالی کاٹن ساڑی پہن لوں؟''

مما کی پتلیاں بڑی بڑی ہوکر گھوم گئیں۔۔ ''آف وہائٹ کالے بارڈر والی بھی تو ہے۔''

''مما آج ڈریس کوڈ ہے نا'' مما کی نگاہوں میں پنپنے والے شک کے ننھے منے پودے یکدم قد آور پیڑ نہ بن سکے۔۔

''ہوں'' ۔مما کے چشمے میں زیرو پاور ہے۔ آج بھی دل کے خالی کونے پر قبضے کی تفتیش میں چشمہ ناکام رہا۔ شک کے ٹپکتے قطرے جم گئے۔ اور میں نے ساڑی پہن لی۔

میٹرو اسٹیشن پر۔۔ بالوں میں اوپر اوپر سے برش پھیرا۔۔

وہ آج ہنس دیگا۔ ٹکٹکی باندھ کر دیکھے گا۔

اسٹیشن پر کافی بھیڑ تھی۔ کئی ٹرینیں آئیں اور نکل گئیں۔ وہ کہیں نہیں تھا۔۔

میں نے ہر آنے اور جانے والی ٹرین میں اس کی خاموش مسکراہٹ کو تلاشا۔ ایک بج گیا۔ دو بج گئے ۔۔ اور تین بجنے میں صرف 12 منٹ رہ گئے ۔۔ مما تین بجے لنچ کرتی ہیں۔

میں واپس گھر پہنچ گئی ۔۔ کارڈ سے خزاں رسیدہ پتے اڑ کر میری آنکھوں میں گرنے لگے۔ میں نے ضد کر کے زرد کرتا خرید لیا۔ زرد تولیے زرد بیڈ شیٹ زرد پردے ۔۔ سب کچھ زرد۔

مما نے میری 35 ویں سالگرہ کے کیک میں شکر کم ڈالی۔ ڈائیٹیشین کے چارٹ پر عمل کرتے ہوئے لو کیلوریز اور کیلشیم سے پر کھانے، جاگنگ کے علاوہ یوگا معمولات میں شامل ہوگیا۔۔ مگر اس پر بھی بلڈ پریشر فلکچو یٹ کرنے لگا۔ پیروں اور کمر میں درد اور بے وجہ رونا آنے لگا۔ دل چاہتا کہ ڈرائینگ روم کی نقشیں چھت سے لٹکتا اصلی کرسٹل کا جھاڑ فانوس باتھ روم میں رکھوا کر اسے کرچی کرچی کرکے بکھیر دوں۔ صبح کے تازہ گلاب رنگین شیشوں کے گلدانوں سے الٹ کر پتی پتی کر کے نوچ دوں۔

بدن درد سے ٹوٹتا اور دل ڈوبتا۔۔

''بیٹا! یو آر اے بریو گرل۔۔ سمجھ سکتی ہو۔۔ اس ایج میں یہ سب

کامن ہے۔میڈیکل ٹرم میں یہ پری مونو پاز سینڈروم۔۔۔

میں چکرا کر گر کر پڑتی۔'' تازہ پھل اور ہری سبزیاں دودھ پنیر جوس۔۔۔'' آئرن کی ایک گولی آفٹر ڈنر دودھ سے لیا کرو۔۔

مما نے بیلینسڈ ڈائٹ چارٹ مائکروویو اون کے اوپر والی شیلف پر چپکا دیا۔

ڈرائینگ روم کا جھاڑ فانوس اور شیشے کے گلدان میں تازہ گلاب میری سفید ہوتی لٹوں کو نظر انداز کرنے لگے۔میں نے بھی انکو معاف کردیا۔'' بیٹا تمہارے چہرے پر سفیدی مائل بال بہت سوٹ کرتے ہیں۔ انٹیلیکچول لوکس۔۔''

میرے سیل فون میں ٹک ٹک۔۔ ٹر۔۔ٹر۔۔ٹر'' ریمائنڈر کوک اٹھا۔9.30 ہوگئے۔مما ناشتے کے لئے ویٹ کرتی ہونگیں۔

میں نے اپنا چہرہ اتھلے اور گدلے پانی میں دیکھا اور مٹھی میں بند ایک کنکر پانی میں اچھال دیا۔پانی میں دائرہ بنا اور پانی کی سطح ہموار ہوگئی۔۔میرے چہرے کے بلکل برابر سے ایک اور چہرہ پانی میں ابھرا ۔۔ایک ایک کر کے سارے کنکر پانی کے جگر میں اتر گئے۔مگر وہ چہرہ پانی کی سطح پر تیرتا رہا۔کانپتے پانی میں ایک چہرا میرے چہرے کے پاس ڈولنے لگا۔میں نے گدلے پانی میں گہرائی سے دیکھا۔۔

چھوٹے کھڑے بال، گول چہرا،اداس خاموش ہونٹ! میں نے سارے کنکر مٹھی کھول کر پانی میں اچھال دئے۔دائروں پہ دائرے بنے اور پل بھر میں منتشر ہوگئے۔میرا چہرا بنا اور بکھر گیا۔لیکن۔۔وہ اداس چہرہ گدلے پانی کی سطح پر اسی طرح گھورتا رہا۔

'' ٹک ٹک ٹک میرے سیل فون کا ریمائنڈر رک رک کر یاد دلانے لگا کہ مما۔۔۔۔میں نے اس چہرہ کو لہروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ اپنا زرد ٹاول گردن کے گرد لپیٹا اور گھر کی طرف چل نکلی۔

آج بھی وہ اسی طرح مجھ سے قبل پانی کی سطح پر آنکھیں بچھائے تھا۔وہ ایک بڑے اور اونچے مٹی کے ڈھیر پر سر جھکائے گرد آلود پانی میں سے کوئی سنہرا سپنا ڈھونڈ رہا تھا۔اسی لئے اسکا چہرہ کنکروں کی چوٹ سے مسخ نہ ہوا تھا۔سپنوں کی وادیاں آہنی دیواروں میں محفوظ ہوتی ہیں جن پر نہ وقت اور نہ حالات اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔نہ سپنے کبھی بوڑھے ہوتے ہیں اور نہ انکا سنہرا روپ ماند!

میں گرد آلود پانی میں اسکے سنہرے سپنے کی کرنیں سمیٹ کر اسکی جھولی میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگی۔کالی ٹی شرٹ رات کو پہن کر سونے سے شکن آلود تھی۔جینس کئی جگہ سے گھس کر پھٹنے لگی تھی۔

اسنے سر اٹھایا ۔اور اٹھ کر چل دیا۔

گھر آئی تو سر میں کچھ گھومنے لگا۔مما سوشل ورک میں ہمیشہ آگے رہتیں ہیں۔کہتی ہیں کہ ضرورتمند کے خالی ہاتھ انکے دل کو خالی کردیتے ہیں اسلئے وہ اپنے دل کو بھرنے کے لئے انکے ہاتھوں کو بھرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں۔میرا دل۔۔خالی ہی تو ہے۔اور شاید اسکے ہاتھ بھی!میں نے الماری کا سیف کھولا بھاری زیورات کی پوٹلی میں تین گانٹھیں کسیں اور۔۔

سورج اگ آیا تھا۔سنہرا آسمان اسکے سر پر اسکے سنہری سپنوں کو تانے ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔۔اب بھی پانی کی سطح پر اسکا چہرا ہلکورے لے رہا تھا۔میں نے اپنے اسکارف کی ایک چھوٹی سی پوٹلی پانی میں اسکے چہرے کے قریب کردی۔

اس نے سر اٹھایا۔۔مجھے دیکھا۔رکا ہوا پانی زور سے اچھلا۔۔۔

اجلا اجلا چاند سا گول چہرہ۔سرخ ہونٹ۔گول مٹول سی ناک۔ چنکی اسٹائل۔۔یہ چھپٹے نقوش کتنے معصوم ہوتے ہیں ایکدم چھوٹے بچے سے۔ روٹھا ہوا سا مجھے ایک ٹک دیکھتا رہا۔۔۔

پہلے دن اسکول میں۔۔۔پینسل باکس کا لاک ٹوٹ جانے پر میرا کلاس میٹ ایسے ہی گول ناک کو سکوڑ کے بھیگی آنکھوں اور لال ہونٹوں میں سبک سبک کے میم سے میری شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اسکا پینسل باکس توڑ دیا ہے۔۔میم نے مجھے ڈانٹ دیا تھا اور اسے اپنے سینے سے چمٹا کر اسکے ماتھے کو چوم لیا تھا۔۔اسکی سسکیاں رک گئیں تھیں۔

وہ بھی معصومیت سے سبک رہا ہے۔دل میں۔شکایت کر رہا ہے اپنی ناکامی کی اپنی مجبوری کی۔کاش میں اس وقت تمہاری سسکیاں میم کی طرح روک پاتی۔تمہیں اپنے کلیجے سے۔۔۔

پوٹلی اسکے ہاتھ کے قریب رکھدی میں نے۔پوٹلی میں ہلکی سی جھنکار بجی۔

اسنے بغیر چھوئے ہی کہا۔'' میں مرد ہوں۔۔آپکے زیور بیچ دوں؟''

'' میں عورت ہوں۔۔۔زیور کے بغیر بھی۔۔''میں نے جاگنگ ادھوری چھوڑ دی۔

اسکا گول گول چاند سا چہرہ دکھ کی کالی بدلی کے سایہ سے باہر آنے لگا۔۔وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔۔ڈائرکٹ میری طرف!

مجھے دشینت اور شکنتلا کی کہانی یاد آنے لگی۔جو مما نے کبھی نہ سنائی تھی۔وہ تو چوتھی کلاس کی ہندی کی کتاب میں پڑھی تھی۔

اس نے میری طرف پھر دیکھا۔۔۔کاش میں اسکی ٹیچر ہوتی۔۔

اسے پچکار سکتی۔۔ اسکے آنسو اپنے پلو سے سکھا سکتی۔ اسکی سسکیوں کو اپنے دل کی دھڑکنوں کا سنگیت بنا سکتی۔۔۔۔ وہ اٹھا اسنے میرے اسکارف کی پوٹلی کو اپنی گھسی ہوئی جینس کی جیب میں اڑس لیا۔ سورج نے اٹھلا کر دھوپ کو ہمارے سروں سے پھسلا دیا۔ وہ پیٹھ موڑ کر جا رہا تھا۔ میں نے تلوار کو الماری کے لاکر میں بند کرنے کا مستحکم فیصلہ کر لیا۔

ساڑھے پانچ ماہ 4 دن اور 16 گھنٹے بعد۔۔

پانی ایکدم روپہلا ہو گیا۔۔ اسکا چہرہ میرے قریب تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ معصومیت ۔۔ اسکی مسکراہٹ گہری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اسکے دائیں ہاتھ کی کن انگلی پر مہندی کا زرد رنگ کھلا ہے۔ میرے سر کے اوپر تناور درخت نے خزاں رسیدہ پتوں کو اپنے تن سے جدا کر دیا۔ میرے اطراف تڑے مڑے خشک پتے کھڑ کھڑائے۔۔

''کیسی ہے تمہاری دلہن؟''

میں نے ایک کافی بھاری پتھر پانی میں دے مارا۔۔ بہت بڑا دائیرہ بنا۔۔ اور میں اسمیں دفن ہونے لگی۔ وہ پیلے پتوں والا کارڈ ڈکشنری کی تہوں سے نکل کر میرے ٹی شرٹ میں پھڑ پھڑانے لگا۔ میٹرو ریل کا خاموش ہمسفر اپنے زرد طویل کرتے کی آستینوں میں میرے عرق آلود چہرے کو چھپانے لگا۔

''یہ آپ پر بہت سوٹ کریگا'' اسنے خاکی کاغذ کے تھیلے کو پھاڑ کر میرے سامنے کر دیا۔

ایک عنابی رنگ کا سوٹ!!!

میری کھپریل کی چھت کے روزن سے ذروں کا سنہرا کارواں میری جانب بڑھنے لگا۔

''آج شام ۔۔ پانچ بجے ۔۔ یہ سوٹ پہن کر یہیں آجائے گا۔۔ میں آپکا انتظار کرونگا۔۔'' سارے زرد خشک مڑے تڑے بدرنگ پتے دہکتے سونے کے ہو گئے۔ ابھی جو گرم آندھی اٹھی تھی وہ سانس روکے میرے آگے آگے چلنے لگی۔ دھوپ کی نرم تمازت میرے انگ انگ میں زندگی جگانے لگی۔۔

میں نے کولون ملے پانی سے نہا کر اسکا لایا عنابی سوٹ پہنا ۔۔ گاڑی میں بیٹھ کر۔ سولہ سنگھار کئے۔۔ پانچ بجے سے پہلے پہنچ گئی۔۔۔

میری گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ میرے برابر کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بے پناہ لگاوٹ ۔۔ بے اندازہ۔۔ اپنائیت سے میری آنکھوں میں ڈائرکٹ دیکھتا رہا۔۔

اسنے میرے کھلے لمبے بالوں میں موتیا کے کچے پھولوں کا مہکتا گجرا سجایا۔۔ عنابی دوپٹے کو میرے سر پر ڈھانک دیا۔

''آپ کے کان کی لوئیں بہت نازک اور حساس ہیں۔ اور بہت خوبصورت بالکل تراشی ہوئی۔ جب آپ مسکرائیں تو۔۔ آپکے کان کی لوئیں سرخ یاقوت کی طرح دمک اٹھیں ۔۔ کیا میں انہیں ۔۔ بس ۔۔ ایک بار۔۔''

اسنے میری اجازت کا انتظار نہیں کیا۔۔ وہ جو کہہ رہا تھا۔۔ وہ کر چکا تھا۔۔ میرے کانوں کی لوئیں پتھر کا دھکتا کوئیلہ بن گئیں۔

کل سے آج تک کتنا بڑا ہو گیا تھا وہ۔ ایکدم نوجوان! کڑیل مرد!

''آپکی وجہ سے میں آج اس مقام پہ ہوں''

''۔۔۔۔''

''میرا پرموشن ہونے والا ہے۔۔'' اس نے میرے سرد ہاتھوں کو اپنے گرم ہاتھوں میں دبا لیا۔ ایک بار پھر اسی طرح میری آنکھوں میں دیکھا۔۔

''۔۔۔۔''

''آپ ۔۔۔ آپ ۔۔ وہاں چلی جایئے ۔۔۔ بس دو گھنٹے کے لئے۔'' دھوپ کی نرم تمازت کھلکھلا کر اسکے اور میرے سر پر سے بھاگنے لگی ۔۔۔ گہرے کالے بادل کی ٹولی نے سیاہ گھیرا میرے چاروں طرف بن دیا۔۔

کاغذ کی چھوٹی سی چٹ اسنے میری طرف بڑھا دی۔۔ اس پر کوئی پتہ درج تھا۔ میں نے اس چٹ کو سنبھال لیا۔۔

وہ گاڑی سے اتر گیا۔۔ ۔ ایک بار اپنے پانی کے دائیروں کو آشاؤں کی شبنم سے بھگو کر نہارا۔۔ اپنی کھپریل کی چھت کے روزن سے بکھرتے ذروں کے کارواں کا راستہ موڑا۔ اپنے دہشت کی دی ہوئی لال چڑیا کو پانی کے دائروں کے بھنور میں پھینک دیا۔۔

رانی لکشمی بائی کی چمکتی تلوار الماری کے سیف سے باہر نکالی۔

وہ دور کھڑا تھا۔ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔۔

میری گاڑی اسکے دئے پتے کی جانب 120 کیلو میٹر کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔۔

آئی ایم ساری مما۔۔ آج کے ہائی ٹیک زمانے میں ایسا بھی ہوتا ہے!!

Rakhshanda Roohi Mehdi
115 - A , Pocket - A
DDA Flats, Sukhdev Vihar
NEW DELHI- 110025
Mb. 09868969308

پروین طلحہ
مترجم: ڈاکٹر صبیحہ انور

شال

حویلی کے باہر مجمع دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ مجھے بہت دیر ہوگئی ہے دلہن بیگم کے دونوں بیٹے آگے بڑھے اور رکشہ سے زنان خانے کی طرف جانے میں میری مدد کی۔

میں جب وہاں پہنچی تو دلہن بیگم کو بستر سے اٹھا کر لکڑی کے تختے پر لٹایا جا رہا تھا۔ نادن نیم گرم پانی کے ساتھ دلہن بیگم کو آخری غسل دینے کے لیے تیار تھی۔ رشتے دار عورتوں نے ان کے چاروں طرف چادروں کا پردہ تان دیا۔ نادن نے آہستہ آہستہ ان کے جسم سے کپڑے اتارنا شروع کیے، ایک بے جان جسم کے ساتھ یہ عمل انتہائی تکلیف دہ تھا۔ دلہن بیگم کی بے رنگ نیلی شال ان کے سر اور جسم کے گرد اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ نادن کے مشاق ہاتھوں کے لیے بھی یہ ایک انتہائی مشکل کام ہو گیا تھا۔ شاید دلہن بیگم نے شال کے سرے ہاتھوں میں اس مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے کہ ہاتھوں کا دم نکلنے کے بعد شال کا سرا سر دہاتھوں میں ہمیشہ کے لیے جم گیا اور ہاتھوں سے نکالنے کے لیے قینچی کی مدد لینا پڑی۔ اس کے باوجود دو نیلی دھجیاں ان کی مٹھی میں اس وقت بھی دبی ہوئی تھیں جب انھیں اپنی آخری آرام گاہ میں ہمیشہ کے لیے لٹایا جا رہا تھا۔

میت کو باہر لے جاتے ہوئے قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے آخری دیدار کے لیے چہرے سے چادر ہٹائی گئی اس وقت مجھے ان کے چہرے پر وہ تاثر دکھائی دیا جو میں پچھلے پچاس سال سے ان کے چہرے پر دیکھنے کی مشتاق تھی، میں نے اس چہرے پر زندگی کی جھلک دیکھی۔

میں اس خاتون سے تقریباً نصف صدی سے واقف تھی۔ پہلی بار میں ان سے اس وقت ملی تھی جب سراج الدین صاحب کی حویلی میں دلہن کی حیثیت سے آئے ہوئے انھیں صرف دو سال گذرے تھے۔ ان کی ساس ان کو 'دلہن بیگم' کہہ کر مخاطب کرتیں۔ یہی نام آخر تک ان کی پہچان رہا۔ ان کے شوہر، نوکر چاکر اور بعد میں سب ہی لوگ یہاں تک کہ ان کے بچے اور پوتے پوتیاں ان کا یہی نام لیتے۔

دلہن بیگم کے بیرسٹر شوہر نے مجھے دلہن بیگم کو انگریزی زبان سکھانے کے لیے ٹیوٹر رکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہر ہندوستانی کا خیال تھا کہ حاکموں سے بہتر تعلقات اور رسوخ بڑھانے کے لیے حاکموں کی زبان سیکھنا گھر کی خواتین کے لیے بھی ضروری ہے۔

میں نے دلہن بیگم میں سیکھنے اور قبولیت کا غیر معمولی مادہ پایا۔ سچ تو یہ ہے کہ دو مہینے میں مجھے لگا تھا کہ مجھے کوئی دوسری نوکری تلاش کرنا پڑے گی، کیونکہ بہت جلد انھیں میری ضرورت نہ رہے گی۔ انگریزی تعلیم کا طے کورس بخوبی پورا ہونے کی خوشی میں، میں نے انھیں اپنے گھر چائے پر بلایا۔

وہ میرے گھر ایک گھوڑے والی بگھی پر شاہی کروفر کے ساتھ تشریف لائیں تھیں۔ اس موقع پر آپس میں دوستانہ بات چیت کے دوران میں نے ان سے ان کا نام پوچھا تھا۔ اپنے سیاہ بالوں پر روپہلی کناری والا خوبصورت دوپٹہ درست کرتے ہوئے انھوں نے اپنی حسین پلکیں اٹھائیں، میری طرف دیکھا اور تکلیف دہ حد تک تاثر سے خالی لہجے میں بولیں۔

''میرا نام سکینہ تھا اب میں دلہن بیگم ہوں'' وہ تھوڑی دیر کے لیے رکیں اور پھر میری طرف اپنی بے جان آنکھوں سے دیکھا۔

''آپ مجھے دلہن بیگم ہی کہیے۔'' ان کی آواز بھی ان کی آنکھوں کی طرح بے تاثر تھی۔ میں سمجھ گئی کہ اودھ کے دوسرے رؤسا کی طرح وہ بھی اپنی قربت اور دوستی کی حدود اپنی مرضی سے طے کرنا چاہتی تھیں، لیکن ان کے خاندان کے ساتھ میرے تعلقات یہیں ختم نہیں ہوئے۔ دلہن بیگم کے

بعد ان کی بھتیجیوں بھانجیوں اور بچوں کی وجہ سے میری ملازمت چلتی ہی رہی۔

اور ایک ایسا وقت آیا جب ہمارے درمیان ملازم اور مالک کا رشتہ باقی نہیں رہا میں ان کے خاندان میں روزمرہ کی زندگی کا ایک حصہ بن چکی تھی وہاں پہنچتے ہی خاندان کے بچے اور بڑے میرے ہی گرد ایک جھنڈ بنا کر جمع ہو جاتے۔ صرف دلہن بیگم ایسی تھیں کہ مجھ سے اسی طرح دوری برقرار رکھتیں، لیکن ان کی دوری صرف مجھ سے نہیں تھی بلکہ اپنے شوہر اور اپنی ساتوں اولادوں سے بھی تھی، میرے اور دلہن بیگم کے بیچ بات چیت کا سلسلہ سلام ودعا سے آگے نہیں بڑھا۔ جیسے ہی میں اپنا سیدھا ہاتھ اٹھا کر ان کو آداب کہتی وہ اپنی خوبصورت گھنیری پلکیں آہستہ سے اٹھاتیں پل بھر کے لیے ان کی تاثر سے عاری آنکھیں دکھائی دیتیں۔ اور پھر وہ اپنا کام شروع کر دیتیں، لیکن کبھی ایک لمحے کے لیے بھی ان کی آنکھوں کی جھلک دل کو خوش نہ کرتی۔

میں اکثر گھنٹوں ان کی تاثر سے عاری اور بے وجہ خاموش آنکھوں کے بارے میں سوچتی یہ تاثر کا ایک ایسا انداز ہے جو کبھی کسی موقع پر نہیں بدلا۔ ان سے ان کی آنکھوں کے تاثر میں تبدیلی کی توقع ہی فضول تھی۔

ان کی زندگی میں سات بار ایسے موقعے آئے جب ان کے گھر بچوں کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت جب سراج الدین ایک خطرناک حادثے سے جو جان لیوا ہو سکتا تھا بال بال بچے تھے، جب ان کے پانچ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا انتقال ہوا پھر سراج الدین کی موت، ان میں سے کسی موقع پر کوئی دوسرا انسان ٹوٹ کر بکھر جاتا۔ مگر میں نے دلہن بیگم کے چہرے پر کوئی تبدیلی دیکھی نہ ان کی آنکھوں میں۔

مجھے صرف دو ایسے واقعات یاد آتے ہیں جب دلہن بیگم نے ایک ذی روح کی طرح اپنا ردعمل ظاہر کیا تھا۔ ایک بار جب میں نے البرٹ کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کیا اور لکھنؤ سے اپنے جانے کی اطلاع ان کو دی تھی کیونکہ یہ اخلاقی تقاضہ تھا کہ میں اپنے فیصلے سے ان کو واقف کراؤں۔ انھوں نے اپنی دھیمی آواز میں مجھے مبارکباد اور دعائیں دیں اور اپنے کام میں منہمک ہو گئیں میرے کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے ان کی بیٹی وہ کاغذ ہاتھ میں لیے داخل ہوئی، جس پر میں نے البرٹ کا کلکتہ کا پتہ لکھ کر دیا تھا جو میرا نیا گھر ہونے والا تھا، خدا جانے کیسے دلہن بیگم کی نظریں اس کاغذ پر پڑیں اور میں نے پہلی بار ان کی آنکھوں میں چمک دیکھی، ان کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیلی اور ان کے ہونٹوں سے میں نے غمزدہ لہجے میں ایک سرگوشی سی سنی۔ ”آپ کلکتہ میں شمس الہدیٰ روڈ پر رہیں گی؟“ ان کے رشک آمیز لہجے نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔

”کیا آپ اس جگہ سے واقف ہیں؟“

”ہاں“ انھوں نے کہا اور پھر وہی تاثر ان کے چہرے پر ایک پل میں واپس آ گیا۔

دوسرا واقعہ وہ تھا جب میں ان کے گھر کی ایک تقریب کے موقع پر وہاں موجود تھی۔ یہ موقع دلہن بیگم کے پوتے کے ختنے کی تقریب کا تھا۔ ان کے کوچوان کی بیوی اس موقعے پر کسی گرم کپڑے کے لیے بہت ضد کر رہی تھی۔ بہو نے عاجز آ کر دلہن بیگم کی نیلی شال اس کو تھما دی تھی۔ شال بہت پرانی تھی اور اسے دینے میں کوئی حرج بھی نہ تھا لیکن دلہن بیگم بغیر کسی خیال اور لحاظ کے بول اٹھیں: ”تم نے میری اجازت کے بغیر میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی جرأت کیسے کی۔“ فیاض، نرم دل اور دنیاوی چیزوں سے کوئی لگاؤ نہ رکھنے کے لیے مشہور دلہن بیگم بہت زور سے گرجیں اور ان کا غصہ آنسوؤں میں تبدیل ہو گیا۔

سراج الدین کے لیے یہ نظارہ بالکل نیا تھا وہ اپنی الماری سے پشمینے کی ایک شال نکال کر کوچوان کے کوارٹر کی طرف لپکے، اپنی شال کوچوان کی بیوی کو دی اور جگہ جگہ سے رنگ اڑی نیلی شال لے کر واپس آئے ایک پل کے لیے دلہن بیگم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آئی ان کے ہونٹ مسکراہٹ کے لیے کھلے اور پھر سب پہلے کی طرح ہو گیا۔

اور آج جب ان لوگوں نے دلہن بیگم کے کفنائے ہوئے جنازے سے سفید چادر کھسکائی اس وقت میں نے ان کے چہرے پر زندگی کا وہی تاثر ٹھہرا ہوا پایا جو اس سے پہلے میں نے دو بار ان کے چہرے پر دیکھا تھا یہ تاثر نجات، آزادی اور مسرت کا تاثر تھا۔ جب ان کے چاروں بیٹوں نے ان کا جنازہ اٹھایا اور بوجھل قدم اور بھاری دل سے قبرستان کی طرف روانہ ہوئے تو مجھے ایسا لگا کہ گزرے ہوئے پچاس سالوں میں آج پہلی بار میں نے دلہن بیگم کو زندہ دیکھا تھا۔

بچوں سے اپنے دلی لگاؤ اور قربت کے باوجود دلہن بیگم کی تجہیز و تکفین کے بعد دوسری رسومات کے لیے میں حویلی میں دیر تک رک نہ سکی، میں تیسرے ہی دن لکھنؤ سے روانہ ہو گئی۔

لکھنؤ سے کلکتہ واپس آنے کے ایک ماہ بعد میں اور البرٹ اپنے بیٹے ٹونی کے ساتھ اس کی بیوی پیٹریشیا کو رخصت کرنے ہاوڑہ اسٹیشن گئے تھے۔ پیٹریشیا اپنے ماں باپ سے ملنے جا رہی تھی۔ ٹرین جیسے ہی روانہ ہوئی ٹونی کو دھیان آیا کہ پیٹریشیا کا دودھ کا تھرماس فلاسک اس کے ہاتھوں

میں رہ گیا ہے وہ ٹرین کے ساتھ لپکا اور دوڑ کر کسی نہ کسی طرح اس نے تھرماس پیٹریشیا کو پکڑا دیا یقیناً یہ ٹونی کی بیکار سی غیر ذمہ دارانہ حرکت تھی۔ لیکن ٹونی کی اس حرکت پر البرٹ جس طرح غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا وہ بھی قطعاً مناسب نہیں تھا۔

''اپنی بیوی اور اس کی سہولت اور آرام کا خیال رکھنا تو غیر فطری یا غیر ضروری نہیں۔'' میں نے اپنے شوہر سے باوڑہ اسٹیشن سے باہر نکلتے ہوئے اس وقت کہا۔ جب ٹونی ٹیکسی کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔

''ایلکس ایسا لگتا ہے تم اپنی ستر سال کی زندگی کے تجربے بالکل بھلا چکی ہو اور ناتجربہ کار نوعمر بچوں کی طرح سوچتی ہو۔ ایک غیر ذمہ دار عورت کے لیے اپنی جان جوکھم میں ڈالنا بھلا کون سی سمجھداری ہے اور وہ بھی ایک نخریلی عورت کے لیے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ خود اپنا خیال بھی نہیں رکھ سکتی۔'' البرٹ کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔

''بے وقوف عورت سے کیا مطلب ہے تمہارا۔ وہ ٹونی کی بیوی ہے۔'' اب مجھے البرٹ پر غصہ آرہا تھا۔ البرٹ نے اپنے کو سنبھالا۔

''ارے معافی چاہتا ہوں بیچ میں ارے چھوڑو بھی۔ ہم بوڑھے لوگ ہیں اور ہر چیز میں کوئی خرابی یا پریشانی نظر آجانا اس عمر کا تقاضہ ہوتا ہے۔ میں ڈر گیا تھا کہ کہیں تاریخ اپنے کو دہرا نہ دے، ایلکس ہم زندگی کی اس منزل پر ہیں کہ ہمارے لیے ٹونی کا مقابلہ دنیا کی کوئی چیز نہیں کر سکتی ہے ٹونی ہمارے لیے دنیا کی ہر شئے سے زیادہ اہم ہے۔''

البرٹ کی آنکھوں میں عجب سا خوف جھانک رہا تھا۔ اس کے جھریوں بھرے چہرے پر پچھتاوا دیکھ کر میرا دل بے چین ہو گیا۔ میں نے اپنا کمزور بازو اس کی خمیدہ کمر کے گرد پھیلا دیا جو اس بات کا اظہار تھا کہ اس کی معافی قبول کر لی گئی ہے۔ اتنی دیر میں ٹونی ٹیکسی لے کر آ گیا۔ البرٹ تمام راستے خاموش رہا لیکن گذرا ہوا وقت اور اس کی یادیں اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھیں۔

میرا دل چاہا کہ البرٹ مجھے اپنی زندگی کا وہ واقعہ بتائے جو شاید وہ دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ گھر پہنچ کر رات کو سونے سے پہلے البرٹ کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔ اور مجھے لگا وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔

''تمہیں معلوم ہے ایلکس۔ محسن کو وہ جان لیوا انفلوئنزا ہونے سے ایک شام پہلے میں اور محسن دونوں اس کی بیوی کو باوڑہ اسٹیشن رخصت کرنے گئے تھے۔''

ہماری شادی کے گذرے ہوئے پینتیس برسوں میں البرٹ اکثر اپنے بچپن کے دوست اور پڑوسی محسن کے بارے میں باتیں کرتا تھا۔ میرا خیال ہے میں محسن کے بارے میں اتنا ہی جانتی تھی جتنا کہ البرٹ جانتا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ محسن کی شادی اس کی بچپن کی دوست سے ہوئی تھی اور دونوں کو ایک دوسرے سے افسانوی محبت تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ شادی کے چھ مہینے بعد ہی انفلوئنزا کی مہلک وبا نے محسن کی جان لے لی تھی۔ محسن کی وجہ سے اس کی جوان بیوی ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے اگلی عید کے چاند سے پہلے لکھنؤ کے ایک رئیس آدمی سے شادی بھی کر لی۔ ان باتوں کا علم مجھے پہلے سے تھا لیکن آج البرٹ پھر یہ سب مجھے بتانے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ دسمبر کی اس شام کے بارے میں بتا رہا تھا جس کی یاد اس کے ذہن سے پچاس سردیاں گذارنے کے بعد بھی دھندلی نہیں ہوئی تھی۔

''ٹرین چل پڑی تھی'' البرٹ روانی میں بول رہا تھا ''تبھی محسن کو خیال آیا کہ اس کی بیوی کی شال اس کے ہاتھ میں چھوٹ گئی ہے وہ ٹرین کے پیچھے دوڑا۔ اسی طرح جیسے آج اسٹیشن پر ہمارا رومیو دوڑا تھا۔ میں سانس روکے، بھونچکا سا دیکھ رہا تھا کہ کمپارٹمنٹ کے پردے کے پیچھے سے دو خوف زدہ آنکھیں بھی محسن سے التجا کر رہی تھیں کہ وہ وہیں رک جائے۔ محسن نے کسی کی پرواہ نہ کی، وہ ہمت نہ ہارا، ٹرین یارڈ سے باہر نکل گئی تھی تب کہیں جا کر اس کی بیوی کا زیورات سے دمکتا اور چمکتا ہاتھ اس نیلی شال کو تھام سکا۔ محسن اور اس کی محبوب بیوی کے درمیان یہ آخری رابطہ تھا۔'' بات اپنی انتہا پر پہنچ گئی، لیکن کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ''اسی شام محسن کو حرارت ہو گئی جو تھوڑی دیر بعد تیز بخار میں بدل گئی اور انفلوئنزا کی مہلک علامات صاف ظاہر ہونے لگیں۔ اور اس کے چار دن بعد وہ ختم ہو گیا۔''

''لیکن پلیٹ فارم پر دوڑنے اور اس مرض میں گرفتار ہونے میں تو کوئی تعلق نہیں تھا۔ تم نے بتایا تھا کہ یہ وبا تو بہت پہلے سے پھیلی ہوئی تھی۔''

میں نے البرٹ کو سمجھانے کی کوشش کی تاکہ وہ ٹونی کے پلیٹ فارم پر دوڑنے اور اس واقعہ کے درمیان کوئی تعلق نہ قائم کرے۔

''ارے بھئی معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں۔ میں تو تم کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ محسن کی لسٹ میں اپنی بیوی کا آرام اپنی زندگی سے بھی زیادہ اہم تھا۔'' البرٹ نے کہا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنی آنکھوں میں شکایت بھر کر بولا۔ ''اور اس عورت نے موقع پاتے ہی اگلے لمحے دوسرے کا ہاتھ تھام لیا۔''

''البرٹ تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے تمہیں نہیں معلوم کہ ہندوستانی عورت کتنی بے بس ہوتی ہے۔ سماج اور اپنے والدین کی مرضی

کے آگے وہ بالکل لاچار ہوتی ہے۔ خدا جانے کیوں آج پچاس سال بعد بھی میرا دل اس بیوہ لڑکی کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے؟" اس کا نام کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"سکینہ" البرٹ کے الفاظ میرے کانوں کے لیے ایک دھماکے سے کم نہ تھے اور لکھنؤ کے بہت سے بھولے بسرے دن جن پر وقت کی دھول جم گئی تھی میری آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ البرٹ باتیں کر رہا تھا اور میں صرف دو خاموش احساس سے عاری آنکھیں ایک حسین چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

البرٹ مستقل باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ جس وقت محسن کو اندازہ ہوا کہ وہ اس مہلک بیماری کی زد میں آ گیا ہے، وہ صرف سکینہ ہی کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور اسی کے بارے میں بات کرتا رہا تھا۔ یہاں تک اپنے چاہنے والے بوڑھے ماں باپ کا خیال بھی اسے اتنا پریشان نہیں کر رہا تھا جتنا خیال اسے اپنے بغیر گزرنے والی سکینہ کی زندگی کا تھا۔

"ہر آدمی کسی نہ کسی طرح زندگی کو اپنے لیے سازگار بنا لے گا لیکن سکینہ کی زندگی میں اب کبھی بہار نہ آئے گی۔" یہ محسن کے آخری الفاظ تھے۔

"اس کو اپنے بغیر سکینہ کے مستقبل کا خیال بے چین کر رہا تھا مگر سب کچھ کتنا غلط ثابت ہوا۔ سکینہ مسرتوں کی راہ پر ہنسی خوشی چلی گئی۔" البرٹ نے کہا اور وہ دیوانوں کی طرح ہنس پڑا۔

"البرٹ تم ایسے غلط نتیجے پر کیسے پہنچ سکتے ہو! محسن کے اندازے بالکل صحیح تھے بہار تو آئی مگر سکینہ کی راہ میں پھول کبھی نہ کھلے۔" میں ہسٹریائی انداز میں بولی۔

"تم اتنا یقینی طور پر کیسے کہہ سکتی ہو۔" البرٹ کے لہجے میں جھنجھلاہٹ بجا تھی۔

"کیونکہ مجھے معلوم ہے۔" میں نے آنسوؤں کے درمیان کہا۔

(ماخوذ از 'قدائے لکھنؤ' قومی اردو کونسل)

فرہنگ آصفیہ سے

اسفنج۔ ع۔ اسم مذکر۔ ابر مردہ۔ اصل میں ایک قسم کا جانور ہے جو سمندر میں ہوتا اور اسکی کھال پانی کو جذب کر لیتی ہے۔ (اسفنج در اصل ایک آبی جانور کا خول ہے جو ہمیشہ سمندر کی تہ میں رہتا اور اکثر ساحل کے گرم حصہ میں پایا جاتا ہے اس کا گوشت نہایت ہی ملائم ہوتا ہے جسمیں ہزاروں چھوٹے بڑے سوراخ نظر آتے ہیں۔ اس جانور کو سمندر کے پانی کے ذریعہ سے خوراک پہنچتی اور اس میں ہر وقت خود پانی موجود رہتا ہے۔ اسکے بیرونی سوراخ جو اندرونی سوراخوں سے منطبق رہتے ہیں۔ پانی کو اندر کے حصہ میں لیجاتے ہیں جہاں صانع قدرت نے پانی کے دوران کا ایک خاص انتظام کر رکھا ہے۔ اندرونی حصہ میں بہت سے بال اور روئیں ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ وہ پانی پر اسطرح تھپیڑا مارتے ہیں کہ باہر سے اندر جانے والے پانی کو روک دیتے ہیں۔ جو ایک بڑے سوراخ کے ذریعہ سے باہر نکل جاتا ہے یہ پانی جو اس طرح دورہ کرتا رہتا ہے۔ ساتھ بہت سے چھوٹے چھوٹے خوردبینی زندہ جانور اور پودے اسفنج کے اندرونی حصہ میں لیجاتا ہے اور یہی اس کے پیٹ میں پانی کے ساتھ پہنچ کر اس کی زندگی کا باعث ہوتے ہیں جس وقت یہ پانی زندہ جانوروں اور پودوں سمیت اسفنج کے اندرونی حصہ میں پہنچتا ہے اس وقت اسکے اندرونی بال ان چھوٹے چھوٹے جانوروں کو پکڑ کر اندر کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اگر پانی کے ساتھ کوئی غیر چیز جو اس کی غذا میں شامل نہیں ہے اندر چلی جاتی ہے تو اس کے بال اسے پانی کی گردش کے ساتھ ہی الٹا پھیر دیتے ہیں۔ جب اس جانور کو سمندر کے ساحل سے خشکی پر لاتے ہیں تو اسے اپنے مطلب کا بنا لیتے کیو اسطے گوشت علیحدہ کر لیتے اور کوئی ترش چیز اسکے بدن سے رطوبت چھڑانے کے واسطے لگا دیتے ہیں جس سے وہ صاف اور نہایت ہلکا ہو جاتا ہے۔ عمدہ اسفنج بحر روم یا ما بین البحرین پایا جاتا ہے۔ خاص کر شام کے ساحل پر اسکی افراط ہے۔ امریکہ کے مختلف سمندروں میں بھی یہ جانور پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ کا اسفنج نہایت سخت ہوتا اور گھوڑے یا گاڑیوں کے صاف کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اسفنج سمندروں کی اندرونی چٹانوں پر پیدا ہوتا ہے۔ غوطہ خور اسکو صحیح و سالم نکالنے کے لئے چٹانوں کے اس حصہ کو جہاں وہ رہتا ہے تیز ہتھیار سے کاٹ ڈالتے ہیں۔ اس قدر گہرائی میں بیشک معمولی غوطوں سے پہنچنا ممکن ہے مگر غوطہ خور ایک بھاری پتھر میں رسی باندھتے اور اس رسی کے ذریعہ سے اتنی گہرائی میں پہنچ جاتے ہیں کہ تہ میں پہنچ کر جس قدر اسفنج انکے ہاتھ آتے ہیں۔ پکڑ پکڑ کر بغل میں دبا لیتے ہیں اور رسی کو ہلا کر کشتی کو اشارہ کر دیتے ہیں اس اشارے پر کشتی کے ملاح اور دیگر غوطہ خور اسے اوپر کھینچ لیتے ہیں۔ غوطہ خوری میں یونانی زیادہ مشاق ہیں مور یا اور اسکے متصلہ جزائر کے غوطہ خور ایک اور طریقہ سے اسفنج کو پانی کے اندر سے نکالتے ہیں۔ یعنی وہ تیز دھار کی برچھیوں کے ذریعہ سے اسفنج پھنساتے ہیں۔ اگرچہ اسفنج نکالنے کا یہ طریقہ بہت آسان ہے۔ لیکن اس طریقہ سے اسفنج جا بجا شکستہ و خستہ ہو کر پوری قیمت نہیں پاتا۔ قریب قریب ہر جگہ اس جانور کے پکڑنے کا رواج پایا جاتا ہے۔ غوطہ خور بیدھڑک اسکام میں مشغول ہیں۔ اس سے وہ جگہ جہاں یہ جانور رہتا ہے بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔ اور وہاں ان جانوروں کی پیدائش نہ ہونے سے بہت کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ اسکے روکنے کے واسطے اب عالموں نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اگر اس جانور کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسی جگہ چھوڑ دیں تو وہ ٹکڑے علیحدہ زندگی پا کر بڑھتے رہتے ہیں چنانچہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہو گئی اور اس سے لوگوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔

مکمل ناول

نشاں زیدی

قدرت کا فیصلہ

واٹس ایپ پر میسج دیکھتے ہی شاداب کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میسج کو کئی بار پڑھ کر محظوظ ہوتا رہا۔

''میری جان بس چند دن انتظار کے اور پھر تو ہمارے دن اور رات دونوں اتنے حسین ہوں گے کہ لوگ اس پر رشک کریں گے۔'' میسج سینڈ کیا۔ دوسری طرف سے جواب میں بھی دو کس والی پک آگئیں۔

ادھر سے شاداب نے بھی جواب میں اسمائلی بھیج دی۔ بہت دیر تک میسج کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ شاداب بار بار ہر میسج کو پڑھتا اور خوش ہوتا رہا۔ اس کو بس انتظار تھا کہ جلد سے جلد یہ دن گزر جائیں اور حرا اس کی دلہن بن کر اس کے آجائے۔ صبح ہوتے ہی واٹس ایپ پر باتیں شروع ہو جاتیں اور دن بھر باتوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ مستقبل کے حسین خواب بنے جاتے۔ سب سے زیادہ شاداب کو خوشی اس بات کی تھی کہ اس کی ہونے والی شریک حیات کی ساری پسند اور ناپسند اس سے ملتی جلتی ہے۔

شاداب اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ دونوں بھائیوں کی شادی ہو چکی تھی لیکن شاداب شادی کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہوتا تھا۔ ویسے تو شاداب تینوں بھائیوں میں سب سے خوبصورت تھا اور ذہین بھی۔ ہر کلاس میں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوتا تھا۔ لیکن ایک کمی کی وجہ سے اس کے اندر احساس کم تری پیدا ہو گئی تھی اور وہ سب کے کہنے کے باوجود کسی حال شادی کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا۔ وہ جب بولتا تو اس کی آواز میں پھندے لگ جاتے تھے ۔ اسکول کی سطح تک اسے یہ کمی زیادہ محسوس نہیں ہوئی لیکن جب کالج پہنچا تو ساتھیوں نے اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے وہ لوگوں سے کٹنے لگا۔ ایک بار تو حد ہو گئی اپنی اس کمی کی وجہ سے اس کا دل ہی ٹوٹ گیا۔ کالج کی ایک خوبصورت لڑکی پر اس کا دل آ گیا اور اپنے ہکلے پن کی وجہ سے وہ اپنا حال دل بیان کرنے سے ہچکچا رہا تھا کئی دن تک عجیب سی کیفیت رہی ۔ اس کے دوست کامران نے اس کیفیت کو بھانپ لیا اور حوصلہ بندھایا۔ کامران نے کچھ اس طرح سے سمجھایا کہ شاداب میاں اس لڑکی کے پاس پہنچ ہی گئے۔

''ود دیکھو ززز زیبا مما میں نے جاج ب سے تا تمہیں دیکھا ہے مما م میرا ددادل قتا قابو میں بابا بالکل نانہیں ہے۔ بغیر کسی تمہید کے شاداب نے اپنی بات کہہ ڈالی۔

''ہکلے! تیری ہمت کیسے ہوئی؟ کبھی اپنی آواز پر غور کیا ہے؟ ایک بار اپنی آواز ریکارڈ کر کے سن لینا، اس کے بعد کسی لڑکی سے اظہار محبت کرنا۔ تو نے سمجھ کیسے لیا۔ ذرا سا میں نے نوٹس کیا لے لیا تو تو محبت سمجھ بیٹھا۔ زیبا نے ایک سانس میں ساری بات کہہ دی اور اس کے بعد کامران کے ساتھ کئی لڑکوں کے قہقہے کی آواز آئی۔ اس دن کے بعد سے شاداب نے کسی لڑکی کا تصور کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، کئی دن تو غصہ کے مارے کالج نہیں گیا۔ ماں باپ کے بہت سمجھانے پر کسی طرح کالج جانا شروع تو کر دیا لیکن بس اپنے کام سے کام رکھنے لگا۔ اس واقعہ نے اسے اندر سے بالکل توڑ دیا تھا۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا شاداب کو ایک کمپنی میں اچھی جاب بھی مل گئی، دونوں بھائیوں کی شادی بھی ہو گئی لیکن شاداب کو شادی کے نام سے چڑ ہو گئی تھی۔ ماں باپ کے بہت اصرار کرنے پر وہ کسی طرح بھی شادی کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا ماں بہت سمجھاتیں ''دیکھو شاداب تنہا زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے میرے بعد تمہارا خیال کون رکھے گا۔'' لیکن شاداب کو لڑکی کے نام سے ہی نفرت ہو گئی تھی۔ وقت کا کام ہے چلنا وہ اپنی رفتار سے چلتا رہا، آہستہ آہستہ ماں باپ نے دنیا کو خیرباد کہہ

دیا۔ اور شاداب بالکل تنہا رہ گیا۔ ماں باپ کی کمی شاداب کو بہت کھلتی اس کو تنہائی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ کوئی اس کا خیال رکھنے والا نہیں رہا۔ جب تک آفس میں رہتا تب تک کوئی احساس نہیں ہوتا لیکن گھر آتے ہی جب دونوں بھائیوں کو اپنی اپنی فیملی میں مصروف دیکھتا تو بالکل ٹوٹ جاتا۔ کوئی حال دل پوچھنے والا نہیں ہوتا ۔بھائی بس رسمی بات چیت کرتے ،بھاوجوں کا کبھی دل چاہتا تو اٹھ کر کھانا دے دیتیں نہیں تو وہ خود ہی کھانا نکالتا اور برتن اٹھا کر رکھ دیتا۔ ہاں جب پہلی تاریخ کو تنخواہ لے کر گھر میں داخل ہوتا تو وہ چار دن وارے کے نیارے ضرور ہو جاتے۔

''اندھا کیا چاہے دو آنکھیں'' شاداب میاں نے بھی اپنی دلچسپی کا راستہ ڈھونڈھ نکالا دیر رات تک واٹس ایپ اور فیس بک پر چیٹ کرتا رہتا۔ ایک دن فیس بک پر کسی دوست کی پوسٹ پر کمینٹ کر رہا تھا کہ اچانک سامنے کسی لڑکی کا فوٹو آیا شاداب اس کو بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ اتنا خوبصورت چہرا اور چہرے پر اتنی معصومیت جیسے کوئی پری آسمان پر سے اتر آئی ہو بغیر کچھ سوچے سمجھے شاداب نے اسے فرینڈ ریکویسٹ بھیج دی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ کیونکہ شاداب کی عمر ۴۰ سال ہو چکی تھی اور اس کی اس عمر میں امیدیں بہت کم ہو گئی تھیں۔ پھر بھی ایک کسک دل میں باقی تھی ۔انتظار کی گھڑیاں طویل لگ رہی تھیں ،دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ شاداب کو خود اپنی حالت پر حیرانی ہو رہی تھی۔ ایسی کیفیت اف اف کتنے برسوں بعد ......''اپنی آواز کو ایک بار ریکارڈ کر کے سن لینا پھر کسی سے اظہار محبت کرنا......'' دور کہیں دور سے آواز آئی جلدی سے لوگ آوٹ کیا اور موبائل رکھ دیا سر کو جھٹکا۔ پھر وہی حرکت کیوں کیوں؟؟؟

لیکن دل بے ایمان ہوتا ہے پھر موبائل اٹھایا پروفائل دیکھنے لگا۔ ''حرا'' نام بھی بہت خوبصورت شکل بھی پیاری، آگے اور پڑھا تو خوشی کا ٹھکانا ہی نہ رہا ایک چھوٹا سا دل بنا تھا اور 'سنگل' لکھا تھا۔ اس سے آگے پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اور نہ جانے کیا کیا خواب بننے لگا۔ ''لگتا ہے شاداب میاں تمہارا ہی انتظار ہے۔'' کسی نے کان میں سرگوشی کی دل اور مسرت سے بھر گیا انہی خیالوں کے ساتھ رات کے نہ جانے کون سے پہر میں نیند آ گئی۔ اگلے دن آفس کی ساری مصروفیت ،کمبخت آفس ذرا سا فیس بک چلانے کا وقت بھی نہیں ملا ۔گھر آ کر الٹا سیدھا کھایا اور بستر پر چلا گیا۔ ''یہ بگلا نہ جانے کون سے خمار میں رہتا ہے، برتن تک اٹھا کے نہیں رکھ سکتا۔'' معمول کے مطابق بڑی بھابھی کی آواز آئی۔ شاداب نے سر کو جھٹکا اور اپنے بستر پر چلا گیا۔ اس طرح کی باتوں کی اب اس کو عادت ہو چکی تھی۔ موبائل کو اٹھایا جلدی سے میسج پڑھنے لگا کچھ پوسٹ کو لائک کیا اور کچھ پر کمینٹ کیا۔ اور جب دیکھا فرینڈ ریکویسٹ ایکسیپٹ ہو گئی ہے تو خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا۔ بہت دیر تک حرا کی پوسٹ کا نظارہ کرتا رہا تصویروں پر خوبصورت خوبصورت جملے لکھتا رہا اشعار پر داد دیتا رہا۔ حرا نے بھی شاداب کی بہت سی پوسٹ کو لائک کیا تھا اور ایک دو پر کمینٹ بھی کیے تھے ۔کچھ دن تو فیس بک پر یہ سلسلہ چلتا رہا ایک دن شاداب نے موبائل نمبر بھی مانگ لیا۔ اور جب موبائل پر بات کرنی چاہی تو کسی نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا نہیں بات نہیں کرنا۔ اور پھر روز واٹس ایپ پر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کیا کھایا کیا پیا کیا پسند ہے کیا نہیں پسند ہے۔ جب پوری طرح سے مطمئن ہو گیا، تو ایک دن بھاوجوں اور بھائیوں سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ بھائی بھی خوشی راضی ہو گئے۔ جب تنخواہ کے ساتھ بونس کی کچھ رقم بھاوج کے ہاتھ پر رکھی بھاوج لڑکی کے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئیں ۔لڑکی ایک نظر میں ہی شاداب کو پسند آ گئی۔ ''لڑکی خوبصورت بھی ہے اور شرمیلی بھی لیکن ابھی تک کنواری کیوں ہے۔'' نائلہ نے کہا۔

''بس تم بیٹھ گئیں وکیلوں جیسے پوائنٹ لے کر۔'' شاداب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بھائی نے جواب دے دیا شاداب نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ ویسے بھی وہ بھائی بھاوج کے سامنے کم ہی بولتا تھا۔

شادی کے دن جیسے جیسے نزدیک آ رہے تھے دونوں کے دل کی دھڑکنیں بڑھ رہی تھیں۔ اس دن وہ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ موبائل پر میسج آیا دیکھا حرا کا میسج ہے۔

''کیا کر رہے ہیں۔''

''کچھ نہیں کپڑوں پر استری کر رہا ہوں۔'' جلدی سے ٹائپ کر کے سینڈ کیا۔

''بس پھوٹوں کی پریشانی اور پھر تو۔'' ادھر سے میسج آیا۔

''ہاں میری جان لیکن یہ انتظار کے لمحے بڑی مشکل سے کٹ رہے ہیں۔''

ادھر سے ایک اسمائلی بنی ہوئی آئی۔

شرما گئیں۔ ویسے تم بہت معصوم اور شرمیلی ہو۔ جلدی جلدی کی پیڈ پر انگلیوں کو چلایا۔ ''شاداب بھئی کہاں لگ گئے دیر ہو رہی ہے۔ کہا تھا نا مجھے مارکیٹ چھوڑ دینا۔'' نائلہ بھابی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

جاجی بھابھی چلا چلئے۔'' شاداب نے موبائل کو جیب میں رکھا۔

پورے دن موبائل کھولنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ رات کو جب آن لائن ہوا تو دیکھا حرا کا میسج آیا ہوا ہے۔

''شاداب میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں شادی سے پہلے

سب کچھ کلیر کرنا چاہتی ہوں......"

"میری جان اب میں نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں اور نہ ہی سننا۔ مجھے تم ہر طرح سے قبول ہو۔اب آگے کچھ نہیں کہنا۔ ساتھ ہی ایک کس والی پک سلیکٹ کی اور سینڈ کر دی۔

تھوڑی دیر تک ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا۔شاداب کو بھی نیند آ گئی۔

وقت گزرتا رہا، جلد ہی وہ گھڑی بھی آ گئی جس کا ایک دولہا دلہن کو بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ گلابی رنگ کے غرارے کے سوٹ میں وہ بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ چند لمحے تک تو شاداب غور سے دیکھتا رہا اسے یقین نہیں ہو رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا آسمان سے کسی حور کو لا کر اس کے پہلو میں بٹھا دیا گیا ہو۔ پتلے خوبصورت ہونٹ، نرگسی خوبصورت آنکھیں، چوڑی پیشانی، گلابی رنگت چھریرہ جسم قدرت نے شاید اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔شاداب ایک ٹک حرا کو دیکھ رہا تھا، اسے یہ سب خواب کی مانند لگ رہا تھا۔کسی طرح ہمت کر کے چند الفاظ نکلے۔"مما میری تما حرا تتا تم اتنی خوبصورت ہو گا کہ تتا تمہاری تتا تعریف کا کے لیے میرے پپ پاس الفاظ تن نہیں ہیں۔" شاداب بہت دیر تک اپنا حال دل بیان کرتا رہا جب حرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو شاداب نے کہا" ہا بہت ہو چکی شششا شرم مما میری جج جان اب تو کچھ بہا بولو" اور یہ کہہ کر دلہن کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ حرا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"مما میری جج جان ککا کچھ تو بولو" اور جب حرا نے ایں ایں کر کے اشاروں میں جواب دیا تو شاداب کو ایسا لگا کہ جیسے پوری فضا ساکت ہو گئی ہو۔

Dr.Nisha zaidi
B-63/S-2,D.L.F.Colony
Sahibabad
Distt.Ghaziabad-201005(UP)
Mob-9873297860

فرہنگ آصفیہ

اُقلیدس-یونانی۔ اسم مذکر (صحیح اُقلیدس یا اِقلیدس)( ) لغوی معنی کلید ہندسہ۔ یعنی غوامض ہندسہ کا کھولنے والا۔ کیونکہ اُقلی بمعنی کلید دس اُقلیدس بمعنی ہندسہ آیا ہے (-) ایک یونانی حکیم کا اسم مبارک جس کے نام سے کتاب اُقلیدس مشہور ہے۔ یہ اس کا لقب یا عرف معلوم ہوتا ہے نام کچھ اور ہو گا کیونکہ غیب کی خبر کسے تھی کہ یہ علم ہندسہ کا بانی یا ماہر ہو گا۔ ہماری تاریخیں اس کے سنہ ولادت سنہ وفات عہد سلطنت سے عاری ہیں کوئی نہیں لکھتا ہے کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا شاگرد ہے۔ نہایت تجسّس کے بعد اس قدر پتا چلتا ہے کہ وہ فرمانروائے مصر شاہ پوٹالی کے عہد حکومت میں موجود تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۔۔برس قبل سے ۲۸۵ء تک مصر میں حکمراں رہا اس سے قیاس کر کے کہہ سکتے ہیں کہ اقلیدس اب سے ۔۔سو برس پیشتر ہو گا۔ اقلیدس نے شہر اسکندریہ میں علم اقلیدس کا باقاعدہ مدرسہ جاری کیا تھا یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے ریاضی میں کلام کیا اور کتاب لکھی اس کا قول ہے کہ خط ہندسہ روحانی ہے جو آلۂ جسمانی سے ظاہر ہوا۔ کسی نے اس سے کہا کہ تجھے تکلیف دینے میں اس قدر جان لڑاؤں گا کہ تو مر جائے اس نے جواب دیا اتنی کوشش کروں گا کہ تیرا غصہ ہی جاتا رہے گا۔ شوقین طلبا کا غلام تھا۔ معاشرت میں حلیم۔ بردبار۔ مرنج و مرنجان آدمی تھا۔ کتاب اقلیدس کے علاوہ کتاب المعطمات کتاب المرایا والمناظر۔ کتاب ظاہرات الفلک اور کتاب التعبیر۔ اس کی تصنیفات سے بیان کی جاتی ہیں (-) ایک کتاب ہندسہ کا نام جس میں اشکال ریاضی، پیمائش مسطحات و مسطمات سے بحث ہے۔ اس کتاب کے پندرہ مقالے ہیں بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ حکیم اقلیدس کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ یہ کتاب اس کے نام سے شہرت پا گئی ورنہ درحقیقت حکیم آپونیوس نجار نے اسکے پندرہ مقالے لکھے تھے۔ اس حکیم کے زمانے سے بہت دنوں بعد اسکندریہ کے ایک بادشاہ کو اس فن کا شوق ہوا تو ان مقالوں کی ترتیب و توضیح کا کام اقلیدس کے سپرد کیا گیا اور اسی سے اس کا نام ہو گیا۔ لیکن اقلیدس نے صرف تیرہ مقالوں کی ترتیب و توضیح کی تھی پچھلے دو مقالوں کی توضیح و ترتیب اس کے شاگرد حکیم اسقلاؤس کے ہاتھ سے ہوئی جو بادشاہ کے حکم سے پہلے مقالوں کے ساتھ شامل کر دیے گئے اس کتاب کے یونانی سے عربی میں خلفائے عباسیہ کے زمانے میں کئی ترجمے ہوئے دو تو صرف حکیم حجاج بن یوسف کوفی نے کئے جن میں سے ایک کو ہارونی دوسرے کو مامونی کہتے ہیں حنین بن اسحاق عبادی عیسائی نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔ یہ مترجم ۲۶۳ھ ہجری میں فوت ہوا اس کے علاوہ اور بہت سے فاضلوں نے یہ کام کیا۔ بلکہ اب تو تقریباً ہر ایک زبان میں اس کا ترجمہ ہو گیا۔

غزلیں

مینا نقوی

محکوم زندگی کا کچھ ایسا مزاج ہے
لب پر ہنسی ہے آنکھوں میں اشکوں کا راج ہے

آزاد ہونا قید سے ممکن نہیں مرا
دستور ہے کہیں تو کہیں پر رواج ہے

دل تو یہ چاہتا ہے کہ جاں اس پہ وار دوں
آنسو تو اس کے پیار کا ادنیٰ خراج ہے

لب پر وفا کا نام عمل بے وفائی کا
اس میں تضاد رنگوں کا یہ امتزاج ہے

ہر لمحہ انتظار ہے، ہر لحظہ انتظار
اپنی تو زندگی میں نہ کل ہے نہ آج ہے

آنچل پکڑ کے اس نے مری راہ روک لی
معصوم بچے کا یہ حسیں احتجاج ہے

"مینا" مقابلے میں جو آتا ہے ظلم کے
جھکتا اسی کے سامنے ظالم سماج ہے

آساں ہر ایک ہو گئی مشکل مرے لئے
جس دن سے محترم ہوا قاتل مرے لئے

میں وحشتوں میں دشت و بیاباں کی ہو گئی
مدت سے ملتمس ہے مرا دل مرے لئے

یوں راستوں سے ان دنوں دلچسپیاں بڑھیں
قدموں کی خاک ہو گئی منزل مرے لئے

آسانیاں نظر کو بچا کے چلی گئیں
ٹھہرے رہے تمام مسائل مرے لئے

آواز میرے حق میں یہ کس نے اٹھائی ہے
اس بھیڑ میں یہ کون ہے عادل مرے لئے

یہ اور بات ہے کہ تجھے کچھ خبر نہیں
"مینا" ترا خیال ہے کامل مرے لئے

Dr. Meena Naqvi
A 301 Mahamaya Balika Inter College
Staff Campus, Sector 44
Noida 201301 UP
Mob: 9015337072...9458836705

ایک کوشش

روبینہ دہلوی

میں دل کی بات کہنے پہ مجبور ہوگئی
ان کی نظر میں کھٹکی تو مشہور ہوگئی

حق بولنا زمانے کو اچھا نہیں لگا
باطل نے کیسا کیسا تماشا نہیں کیا

مجھ سے گناہ جیسے کہ اتنا بڑا ہوا
ہر کوئی آج میرے مخالف کھڑا ہوا

پہلے تو میری بات ہی سن کر بپھر گئے
پھر اوچھی حرکتوں پہ بچارے اتر گئے

انگلی اٹھی جو مجھ پہ تو حیران ہوگئی
اپنوں کی بے رخی سے پریشان ہوگئی

بچی جو کہتے آئے تھے کافر وہ کہہ گئے
سارے لگاؤ غصے کی آندھی میں بہہ گئے

تاروں سے لے کے روشنی ذیشان ہوگئی
اچھے برے کی مجھ کو بھی پہچان ہوگئی

انداز عبدیت کے تصور جدا ہوئے
بھائی سے بھائی باپ سے بیٹے خفا ہوئے

ایسے رنگے کے بھول گئے اپنا خاص رنگ
بے گھر ہوئے تو رہنے لگے منکروں کے سنگ

راہِ خدا پہ چلتے رہیں بندے ایک ہوں
ہے وقت کا تقاضا کہ انسان نیک ہوں

Ronaq Dehelvi
K/75-Near Chinar Apartment
Batla House-110025
Mob: 7827709360

عورت کے درجات

حضرت علامہ سید مطیع اللہ راشد برہان پوری

ہنگام ولادت سے ایام رزاعت تک
ننھا سا کھلونا ہے گھر بھر کے لئے بیشک
سب پیار سے آنکھوں کی پتلی اسے کہتے ہیں

چھ سال کی ہونے تک تمہید شرارت ہے
اُس کے لئے کل دنیا گڑیوں سے عبارت ہے
معصوم فرشتہ ہے ننھی اسے کہتے ہیں

چھ سال سے پندرہ تک تعلیم کی دلدادہ
خدمت کو بزرگوں کی ہر وقت ہے آمادہ
ننھے سے بہن بھائی باجی اسے کہتے ہیں

پندرہ سے اٹھارہ تک مغرور حیا پرور
کھلتی ہے فقط اپنی ہم جولیوں سے مل کر
خوداریٔ عصمت کی دیوی اسے کہتے ہیں

قد بانو کے درجے میں پچیس تک آتی ہے
پھر عظمتِ نسوانی شان اپنی دکھاتی ہے
بچوں کی فدائی ہے امی اسے کہتے ہیں

چالیس سے کچھ اوپر جب اس نے قدم رکھا
اللہ نے رتبے میں یہ اور شرف بخشا
اک پیکرِ عظمت ہے دادی اسے کہتے ہیں

آگے وہ جیئے جب تک سردار ہے کنبے کی
مالک ہے وہی گھر کی مختار ہے کنبے کی
دادی اسے کہتے ہیں نانی اسے کہتے ہیں

ہر سن میں غرض عورت مستوجب عزت ہے
راشد یہ دلیل اپنی اس قول پہ حجت ہے
ناموسِ شریعت ہے بچی اسے کہتے ہیں

(بشکریہ محمد تنویر رضا برکاتی)

Mohammad Tanveer Raza Barkati
Darus Suroor Education Society
Harirpura
Burhanpur-450331 (M.P)

لذیذ پکوان

ایگ فرائیڈ رائس

اجزا: اُبلے ہوئے چاول (600 گرام) کٹی ہوئی گاجریں (50 گرام) کٹی ہوئی بند گوبھی (30 گرام) نمک (ایک چائے کا چمچ) کالی مرچ پاؤڈر (ایک چائے کا چمچ) چکن پاؤڈر (سوا کھانے کا چمچ) کٹی ہوئی ہری پیاز (40 گرام) پھینٹے ہوئے انڈے (ڈیڑھ عدد) آئل (30 گرام)

ترکیب: ایک کھلے برتن میں تیل ڈال کر گاجریں اور بند گوبھی فرائی کرلیں۔ دوسری طرف ایک اور پین میں انڈے فرائی کرکے بھجیا بنالیں، پھر ان میں نمک، کالی مرچ اور چکن پاؤڈر شامل کرکے اُبلے ہوئے چاول ڈال دیں اور چمچ کا استعمال کرنے کی بجائے چاولوں کو اچھال کر اس طرح ہلائیں کہ تمام اجزا چاولوں میں مکس ہوجائیں۔ آخر میں چاولوں پر ہری پیاز سے گارنشنگ کریں اور مزے دار ایگ فرائیڈ رائس سے لطف اندوز ہوں۔

رومالی سویاں

اجزا: باریک سویاں (2 پیکٹ) گھی (100 گرام) چینی (200 گرام) پانی (500 گرام) کھجور (50 گرام) بادام (20 گرام)

ترکیب: دیگچی میں پانی ابالیں اور اس میں سویاں ڈال کر چند لمحوں کے بعد پانی نچوڑ دیں۔ اب گرم تیل میں چینی ڈال کر ہلکی آنچ پر

سویاں 3 منٹ کے لیے بھونیں۔ خیال رہے سویاں بھونتے ہوئے اسٹیل کا چمچ استعمال کریں مگر بار بار اور زور سے چمچ نہ ہلائیں ورنہ سویاں علیحدہ ہوجائیں گی۔ آخر میں سویوں کو ڈش میں نکال کر بادام اور کھجوروں سے سجائیں اور عید کی صبح کا آغاز میٹھی اور خوش ذائقہ سویاں کھا کر کریں۔

ہاٹ اینڈ ساور سوپ

اجزا: چکن (3 کپ) کارن فلور (ایک کھانے کا چمچ) پھینٹے ہوئے انڈے (2 عدد) چکن قیمہ (100 بوٹیاں) چکن پاؤڈر (ایک چائے کا چمچ) سفید شکر (ایک چائے کا چمچ) نمک (آدھا چائے کا چمچ) باریک کٹی ہوئی گاجریں (20 گرام) باریک کٹی ہوئی بند گوبھی (30 گرام) خشک کالے مشروم (5 گرام) سفید سرکہ (2 سے 3 کھانے کے چمچ) سرخ مرچ کا پیسٹ (آدھا چائے کا چمچ) سویا سوس (آدھا چائے کا چمچ) کالی مرچ پاؤڈر (آدھا چائے کا چمچ)

ترکیب: ایک کھلے برتن میں یخنی لے کر ابال لیں۔ اب اس میں چکن قیمہ ڈال کر نرم ہونے تک پکائیں۔ اس کے بعد انڈے اور کارن فلور کے علاوہ تمام اجزا شامل کرکے کچھ دیر ہلائیں، پھر آدھا کپ پانی لے کر کارن فلور ڈال کر یوں ہلائیں کہ اس میں گٹھلیاں نہ بنیں اور اسے سوپ میں شامل کرکے چمچ برابر ہلاتی رہیں تاکہ سوپ گاڑھا ہو جائے، ساتھ ہی انڈے بھی شامل کر دیں۔ لیجیے مزیدار ہاٹ اینڈ سار سوپ تیار ہے۔

گرلڈ سینڈوچ

اجزا: بون لیس چکن سلائس (100 گرام) بریڈ (2 سلائس) (ایک چائے کا چمچ) ٹماٹر (4 قتلے) کھیرا (4 سلائس) مایونیز (20 گرام) نمک (حسب ضرورت) کالی مرچ (حسب ضرورت)

ترکیب: اولیو آئل میں نمک اور کالی مرچ ملا کر چکن کو لگا دیں اور میرینیٹ ہونے کے لیے 20 منٹ تک فریج میں رکھ دیں، پھر اسے پین میں گرل کر لیں۔ دوسری طرف بریڈ کے ٹکڑوں کو بھی ٹوسٹر یا پین میں گرم کر لیں مگر خیال رہے بریڈ جل نہ جائے۔ اس کے بعد بریڈ کو مایونیز لگا کر چکن کا ٹکڑا رکھیں پھر اس پر ٹماٹر اور کھیرے کے قتلے رکھ کر بریڈ کا دوسرا ٹکڑا بھی رکھ دیں اور تکون کی شکل میں تیز چھری سے کاٹ کر دو حصے کر دیں۔ گرلڈ سینڈوچ تیار ہے، آپ اسے کریم سیلڈ اور فرنچ فرائیز کے ساتھ سجا کر پیش کر سکتی ہیں۔

فش قیمہ کباب

اجزا: فش قیمہ (250 گرام) ادرک کا پیسٹ (60 گرام) لہسن کا پیسٹ (60 گرام) نمک (40 گرام) سرخ مرچ (30 گرام) زیرہ (12 گرام) ہلدی (12 گرام) گرم مصالحہ (10 گرام) اجوائن (5 گرام) سوکھا دھنیا (5 گرام) پیاز (500 گرام) مٹن قیمہ (500 گرام) قصوری میتھی (2 گرام) ہری مرچیں (100 گرام)

ترکیب: سب سے پہلے فش قیمہ میں تمام مصالحہ جات شامل کرکے کچھ دیر کے لیے رکھ دیں، پھر اس آمیزے کو سیخوں پر لگا کر 5 سے 7 منٹ تک گرل کر لیں، اس دوران وقتاً فوقتاً سیخوں کو الٹتی پلٹتی رہیں۔ مزیدار فش قیمہ کباب تیار ہیں آپ انہیں چلی سوس کے ساتھ سرو کر سکتی ہیں۔

ہنی چلی چکن

اجزا: ہڈی کے بغیر چکن کی گول بوٹیاں (8 عدد) باریک کٹی ہوئی ہری مرچ (20 گرام) سفید مرچ (5 گرام) پھینٹے ہوئے انڈے (ایک عدد) کارن فلور (ایک کھانے کا چمچ) چکن پاؤڈر (ایک چائے کا چمچ) شہد (3 کھانے کے چمچ) کٹا ہوا لہسن (ایک کھانے کا چمچ) پیلی، سرخ اور سبز شملہ مرچیں (ہر ایک کا وزن 10 گرام) سرخ مرچ کا پیسٹ (ایک کھانے کا چمچ) لمبی کٹی ہوئی مرچ (10 گرام) ٹماٹو کیچپ (ایک کھانے کا چمچ) اویسٹر سوس (ایک چائے کا چمچ) تیل (حسب ضرورت)

ترکیب: سب سے پہلے چکن کی بوٹیوں کو چکن پاؤڈر، سفید مرچ، پھینٹے ہوئے انڈے اور کارن فلور لگا کر میرینیٹ ہونے کے لیے 15 منٹ تک فریج میں رکھیں۔ اب چکن کو پہلے سے گرم تیل میں نرم اور سنہرا ہونے تک پکائیں۔ اس کے بعد تھوڑے سے تیل میں لہسن کو کڑکڑا لیں اور پھر شہد، سرخ مرچ کا پیسٹ، ٹماٹو کیچپ اور اویسٹر سوس ڈال کر ہلائیں جب سوس تیار ہو جائے تو فرائی کیا ہوا چکن ڈال کر چمچ سے آہستہ آہستہ ہلاتے رہیں، پھر آخر میں لمبی کٹی ہوئی سبز مرچیں اور شملہ مرچیں ڈال دیں اور ایک منٹ تک چمچ ہلانے کے بعد ڈش میں نکال لیں اور تکوں سے گارنش کرکے گرما گرم ہنی چلی چکن سے لطف اندوز ہوں۔

خواتین کے لئے ورزش کی اہمیت

سید محمد حسان نگرامی

ہے لیکن خواتین کو ورزش کی اس لئے زیادہ ضرورت ہے کہ زیادہ تر خواتین عہد جدید میں بھی باہری مشغولیات سے علاحدہ رہتی ہیں، پہلے مصالحہ پیسنے میں سل بٹے کا استعمال، آٹا گوندھنے، بیٹھ کر روٹی پکانے، ضرورت بھر کے لئے گھر میں لگے نل سے پانی نکالنے، ہاتھ سے کپڑے دھونے جیسے روزمرہ کے کاموں کے ذریعہ اچھی خاصی جسمانی ورزش ہو جاتی تھی۔ آج کے زمانہ میں واشنگ مشین، گرائنڈر، گیس چولہے پر کھڑے ہو کر کھانا پکانے کے بڑھتے ہوئے رواج نے عورتوں میں جسمانی ورزش کو بہت کم کر دیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر عورتوں کا جسم بہت جلد بھاری ہو جاتا ہے، کمر کا حصہ بڑھ جاتا ہے پیٹ نکل آتا ہے، بازور پر گوشت زیادہ ہو جاتا ہے۔ آپریشن کے ذریعہ ولادت نے اس صورت حال کو مزید تکلیف دہ اور تشویش ناک بنا دیا ہے وزن بڑھتا جاتا ہے۔ کمر میں درد کی مستقل شکایت ہو جاتی ہے۔ کندھوں، ٹخنوں، گھٹنوں اور گردن میں درد کی شکایت بڑھتی جارہی ہے دیکھا جائے تو ان سب کی بنیادی وجہ جسمانی ورزش کی کمی، پیدل چلنے سے پرہیز، ساتھ ساتھ چکنی گھٹی اور مرغن غذاؤں کے استعمال نے مزید پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ ان تمام مسائل کو آج بھی بغیر دوا کے ورزش سے اور پیدل چل کر آسانی سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ آج کل یوگا کی بڑی دھوم ہے حالانکہ یونانی طب میں ورزش کو شروع سے بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اطباء قدیم کی کتابوں میں بے شمار فائدے لکھے گئے ہیں۔ ورزش سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خون کا دوران بڑھ جاتا ہے اور گوشت اور پٹھے میں خون اچھی طرح جاری ہو کر پلپلا پن ختم کر دیتا ہے۔ اور ان میں جمے مادوں کو تحلیل کر کے پسینہ کے ذریعہ باہر نکال دیتا ہے یہی مادے جب جسم میں جمع ہو جاتے ہیں کبھی کولسٹرال کبھی یورک ایسڈ اور کبھی پتھری اور کبھی ٹیومر بن کر خطرناک بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ ورزش کا دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ کاربن مونو آکسائڈ کم ہو جاتا ہے اور آکسیجن زیادہ ہو کر پھیپھڑوں میں دوران خون تیز ہو جاتا ہے جس سے سارے نظام جسم میں مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ورزش سے ہضم بہتر ہوتا ہے، ریاح نہیں بنتی اور قبض نہیں ہوتا اجابت صاف ہو جاتی ہے جس سے جسم میں تیزی اور فرحت پیدا ہو جاتی ہے اور اچھی نیند آتی ہے۔

ورزش کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ پابندی سے ورزش کرنے سے ذہنی تناؤ ختم ہو جاتا ہے اس کے لئے کھلی ہوا میں ٹہلنے سے دماغ کو خاص طور سے سکون ملتا ہے۔ اطباء نے ورزش کے اصول بھی لکھے ہیں نہ بہت تیز ورزش کی جائے نہ دیر تک کی جائے بلکہ ہلکی ورزش تھوڑے وقت کے لئے کریں دھیرے دھیرے اس کا وقت بڑھاتے جائیں لیکن پابندی سے کریں چھوڑ چھوڑ کر ورزش کرنے کو اطباء نے بجائے فائدہ کے نقصان دہ لکھا ہے۔

ہم یہاں پانچ قسم کی خاص ورزشوں کا تذکرہ کر رہے ہیں جن کو روزآنہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے خاص طور سے خواتین اسے بہت آسانی سے کرسکتی ہیں۔

ورزش نمبر 1

اس ورزش میں آپ اس طرح بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیں کہ دونوں ہاتھوں سے پیر کے انگوٹھے پکڑلیں اور پیروں کے درمیان ایک فٹ کا فاصلہ رکھیں پھر کھڑے ہو کر اندر کی طرف سانس لیتے ہوئے دونوں

ہاتھوں کو اٹھا کر سر کے اوپر لے جائیں اور خوب اچھی طرح تان دیں جیسا کہ اس میں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ایڑیاں اوپر نہ اٹھیں اس کے بعد ہاتھوں کو اس طرح نیچے لے جائیں کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں پاؤں کے نیچے کے پاس پہنچ کر زمین کو چھو لیں۔ یہ خیال ضرور رکھیں کہ کمر نہ جھکنے پائے۔ جھکتے وقت سانس باہر کی طرف نکالیں۔ یہ عمل پانچ سے سات مرتبہ کریں اس ورزش سے گردن اور ریڑھ کی ہڈیوں کی تکلیف کم ہو جاتی ہے سانس پھولنا کم ہو جاتا ہے شروع شروع میں ہاتھوں کو زمین تک چھونے میں دشواری ہوتی ہے بعد میں دھیرے دھیرے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

ورزش نمبر 2

آگے جھک جائیں پھر دونوں ہاتھ گھٹنوں کے پیچھے لے جا کر ہاتھوں کی انگلیوں میں پھسا کر جکڑ لیں جیسا کہ شکل نمبر 2 دکھایا گیا ہے اس کے بعد اپنے جسم کے اوپر والے حصہ کو جس حد تک ممکن ہو سکے اوپر کی طرف اٹھانے کی کوشش کریں اور 10 سے 15 سکنڈ زور لگا کر ڈھیلا چھوڑ دیں یہ عمل 5-10 بار کریں کمر کی ورزش کے لئے اور موٹاپا کم کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔

ورزش نمبر 3

بالکل چت لیٹ جائیں اس طرح کہ دونوں ہاتھ سر کی طرف تنے ہوں پھر آہستہ آہستہ ایک گھٹنے کو اٹھائیں اور دونوں ہاتھوں کو سر کے اوپر سے لا کر گھٹنے کو پکڑ لیں پھر اس کو پیٹ پر رکھ کر زور سے دبائیں پھر اسے اپنی جگہ واپس لے جائیں جیسا تصویر نمبر 3 میں دکھایا گیا ہے۔ اس طرح دوسری ٹانگ کا گھٹنہ اٹھائیں اور اسے بھی ہاتھوں سے پکڑ لیں پھر پیٹ دبائیں اور پھر واپس لے جائیں۔ 5-5 بار دونوں طرف کریں آخر میں دونوں ٹانگوں کے گھٹنوں سے پیٹ دبائیں۔ اس ورزش سے موٹاپا کم ہوتا ہے بھوک کم لگتی ہے وزن کم ہو جاتا ہے اور کھانے کا ہضم درست ہو جاتا ہے۔

ورزش نمبر 4

بالکل چت لیٹ جائیں اس طرح کی دونوں بازو سر کی طرف تنے ہوں اور دونوں ٹانگیں سیدھی تنی ہوں جیسا کہ تصویر نمبر ۴ میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد دونوں ٹانگوں کو ایک ساتھ رکھ کر سر کی طرف لے جائیں اور دونوں بازوؤں سے سر کا فرش چھونے کی کوشش کریں جس وقت آپ ٹانگیں رکھ کر سر کے اوپر لے جائیں اس وقت دونوں ہاتھوں کو آگے لا کر دونوں پہلوؤں میں رکھ لیں اسے تصویر نمبر ۴ میں دیکھا جا سکتا ہے اس کے بعد پہلی ورزش میں واپس آ جائیں۔ ۵ سے ۸ بار ایسا کریں اس ورزش سے آنتوں کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور قبض کی شکایت ختم ہو جاتی ہے۔

ورزش نمبر 5

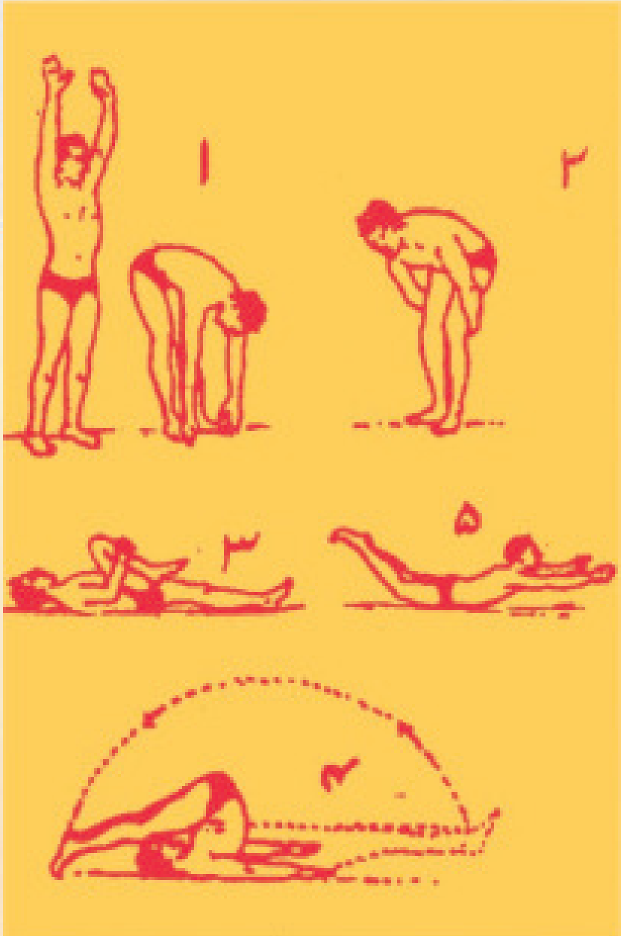

اس ورزش میں اوندھے لیٹ جائیں اس طرح کہ دونوں ہاتھ سر کے اوپر اٹھے ہوں اس کے بعد دونوں ہاتھ اور پاؤں اوپر کی طرف اٹھائیں (جیسا تصویر نمبر 5 میں دکھایا گیا ہے)۔ دھیان رہے کہ سر اٹھا رہنا چاہئے پھر اصلی پوزیشن پر واپس آ جائیں۔ اس طرح 5 سے ۱۰ بار عمل کریں۔ اس ورزش سے پیٹ کے عضلات (مسلس) کی سختی کم ہوتی ہے چربی گھٹ جاتی، موٹاپا کم ہو جاتا ہے اور ریڑھ کی ہڈی کی تکلیفیں کم ہو جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ ورزش تھوڑی دیر کریں لیکن روز کریں اور پابندی سے کریں۔ صرف ایک دن یا دو دن دیر تک ورزش کرنے سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو سکتا ہے۔

Dr. S. M. Hassan

Dr. Hassan Herbal Clinic

Behind Medah Ganj Police Chowki

Sitapur Road, Lucknow-226020 (U.P)

حسن کی نگہداشت

حسین بالوں کی صحت کا راز

ہرلڑکی کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بال لمبے اور خوبصورت ہوں۔ بال لمبے ہوں یا چھوٹے۔ بالوں کے معاملے میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، وہ بالوں کی صحت یعنی بالوں کا صحت مند ہونا ہے۔ بال اگر گھنے، نرم و ملائم، چمکدار اور صحت مند ہیں تو چھوٹے ہوں یا لمبے آپ کی شخصیت میں چار چاند لگا دیتے ہیں، لیکن بال لمبے تو ہوں مگر روکھے، بے رونق اور بے جان ہوں تو ایسے بالوں میں کسی کو بھی کشش محسوس نہیں ہوتی۔ آیئے! اب ہم بالوں کو صحت مند اور نرم و ملائم رکھنے اور ان کی چمک اور لچک میں اضافہ کرنے کے کچھ ایسے راز بتاتے ہیں جن پر عمل کر کے آپ اپنے بالوں کو خوبصورت اور پرکشش بنا سکتی ہیں۔

1۔ اچھی اور متوازن غذا آپ کے بالوں میں نظر آتی ہے۔ بالوں کی بہترین نشوونما کے لیے ایسی غذا ئیں جن میں زیادہ سے زیادہ پروٹین شامل ہو، مثال کے طور پر دودھ سے بنی ہوئی اشیا، تازہ پھل اور سبزیاں وافر مقدار میں استعمال کریں۔ غذائی ماہرین کے مطابق کیلا اور مچھلی آپ کے بالوں کی صحت کے لیے اتنے ضروری ہیں جتنے پودوں کے لیے پانی اور ہوا لازم و ملزوم ہیں۔

2۔ صدیوں سے انڈین امریکن اپنے بالوں اور جلد کے لیے جوجوبا تیل کا استعمال کرتے آ رہے ہیں۔ جوجوبا تیل بالوں کے لیے ایک بہترین کنڈیشنر ہے جو بالوں کو نرم و ملائم اور سلکی بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

3۔ ایک میکسیکن ٹپ، بالوں پر اچھی طرح ایلوویرا کا لیپ کرلیں اور خشک ہونے کے لیے چھوڑ دیں، پھر رات کو دھولیں۔ یہ ٹپ نہ صرف آپ کے بالوں میں کشش اور لچک پیدا کرے گی بلکہ ایلوویرا کا استعمال آپ کے بالوں کے لیے سن اسکرین کا کام بھی دے گا۔

4۔ بحرالکاہل کے جزیرے اشاہتی کی خواتین میں اپنے کالے اور گھنے بالوں کو روز صندل کی خوشبو والے تیل سے دھونے کا رواج عام تھا، جس سے ان کے بال ہمیشہ چمکدار اور نرم و ملائم رہتے تھے۔

5۔ خشکی سے مکمل نجات کے لیے انڈے کی دو زردیوں کو 115 ملی لیٹر پانی میں پھینٹ لیں اور بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح لگالیں۔ دس منٹ کے لیے چھوڑ دیں، پھر ٹھنڈے پانی سے سر دھولیں۔ اس کے بعد دو کھانے کے چمچ سرکہ 225 ملی لیٹر پانی میں شامل کرلیں اور اس محلول سے سر دھولیں۔ بالوں سے خشکی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

6۔ بالوں کو جڑوں سے کمزور ہونے، ٹوٹنے اور گرنے سے بچانے کے لیے اپنی پونی ٹیل، کلپز اور کیچر ز کو بہت زیادہ کس کر نہ باندھیں کیونکہ اس طرح سے بال جڑوں سے کھنچتے ہیں اور کمزور ہو کر جلد ٹوٹ جاتے ہیں یا جھڑنے لگتے ہیں۔

7۔ بالوں میں ہیرے جیسی چمک پیدا کرنے کے لیے ایک پاؤ دہی میں ایک انڈے کی زردی اور ایک عدد لیموں کا رس ملا کر بالوں میں اچھی طرح لگالیں اور آدھے گھنٹے بعد بالوں کو دھو کر شیمپو کرلیں۔ آخر میں چائے کی پتی کا پانی ایک لیٹر پکا کر اور ٹھنڈا کر کے بالوں پر ڈال دیں اور بال

خشک کرلیں۔ بال نرم و ملائم، خوب صورت اور چمک دار ہو جائیں گے۔

پھلوں سے جلد کی حفاظت

وہ خواتین جو اپنی جلد کی حفاظت زیادہ بہتر طریقے سے کرنا چاہتی ہیں انھیں چاہیے کہ وہ پھلوں کا استعمال کریں کیونکہ ہر پھل اپنے اندر غذائیت کا خزانہ لیے ہوئے ہیں لہٰذا ان سے کنارہ کشی اختیار کرنا کسی طور پر بھی درست نہیں، البتہ اعتدال سے کھایئے۔ جن خواتین کو ذیابیطس کی شکایت ہو وہ میٹھے پھل معالج کے مشورے کے بغیر نہ کھائیں۔ کیلا خشک جلد کے لیے بے حد مفید ہے۔ آپ ایک کیلا اور ایک چھوٹا چمچ شہد اچھی طرح ملا کر چہرے پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

یہ ماسک آپ کے چہرے سے سارا میل کچیل کھینچ لے گا اور آپ کی جلد دمک اٹھے گی۔ سنگترہ خون صاف کرتا ہے۔ اس کے چھلکے بھی فائدہ مند ہوتے ہیں۔ آپ چھلکوں کو اپنے ہاتھوں، کہنیوں اور پیروں پر متواتر ملیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں سنگترے کے چھلکے ہاتھ پیروں کو نرم بنائیں گے۔ لیموں کا رس یا گودا اگر چہرے پر ملا جائے تو چھائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اگر دانتوں اور مسوڑھوں پر لیموں کا رس ملا جائے تو دانتوں پر جما ہوا میل بھی اترنے لگتا ہے۔ اور پائیوریا ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر لیموں کے چھلکوں کو باریک پیس کر حسب ضرورت کسی بھی کریم میں ملا کر، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں پر لگایا جائے تو حلقے دور ہو جاتے ہیں۔ چکوترے کے چھلکوں میں تیل ہوتا ہے، لہٰذا انھیں نہ پھینکیں۔

ہونٹوں کو خشکی سے بچائیں

سرد موسم ہونٹوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ سرد ہوائیں ہونٹوں کی ساری خوبصورتی خراب کر دیتی ہیں۔ یہ ہوائیں خاص طور پر ہونٹوں کی خوبصورتی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس موسم میں خواتین اکثر پھٹے ہونٹوں سے پریشان رہتی ہیں۔ اگر موسم کے سرد ہوتے ہی توجہ برتی جائے تو خواتین اس مصیبت سے بچ سکتی ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد اگر ہونٹوں کو خوب اچھی طرح سے صاف تولیے سے پونچھ لیا جائے تو ہونٹوں کو خشکی

سے بچایا جا سکتا ہے۔ سونے سے پہلے ہونٹوں پر دودھ کی بالائی، کولڈ کریم یا گھی اچھی طرح سے ملیں، دن میں دو تین بار ان چیزوں کا استعمال کرنے سے ہونٹوں کو پھٹنے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہونٹ خوبصورت اور حسین نظر آتے ہیں۔ زیتون کا تیل ہونٹوں پر لگانے سے ہونٹوں کی تازگی برقرار رہتی ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ ہونٹوں کی خوبصورتی برقرار رکھنے کے لیے چیپ سٹک کا استعمال بھی دن میں تین سے چار مرتبہ کریں تاکہ ہونٹ خشک نہ ہوں۔

چہرے پر نکھار لائیں

دودھ کی بالائی یا کھانے کے دو چمچ شہد لے کر چہرے پر مساج کریں یہ چہرے کے لیے بہترین ہربل موئسچرائزنگ ہے۔ اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو اس میں دو چار قطرے لیموں کے شامل کر کے دیکھ لیں۔ چہرے کے ہلکے مساج کے بعد بھاپ لیں اس کے لیے ایک بڑی دیگچی میں ایک

کھانے کا چمچ سمندری نمک اور پودینے کے پتے ڈال لیں اور پانی کو خوب کھولا لیں پھر چولہا بند کر دیں اور تولیہ سر پر ڈال کر چہرے کو کھولتے ہوئے پانی میں دیگچی کے قریب لے جا کر بھاپ لیں خیال رہے کہ بھاپ بجائے چہرے پر لگنے کے ادھر ادھر نہ ہو جائے جب چہرے پر پسینہ آجائے تو بھاپ لینا بند کر دیں اور چہرے کو کسی ململ کے کپڑے یا روئی کی مدد سے اچھی طرح صاف کر لیں اس سے نہ صرف چہرے کا میل کچیل صاف ہو جاتا ہے بلکہ چہرے سے بلیک ہیڈز بھی صاف ہو جاتے ہیں۔

تاثرات

مکرمی..... 'خواتین دنیا' اکتوبر 2017 کا شمارہ ملا، صبا نوازی کا شکریہ۔ زیر نظر شمارے کے اداریے 'مکالمہ' میں مدیر محترم ارتضیٰ کریم صاحب نے اپنی بات پر قائم ہونے کا جواز پیش کیا ہے کہ اردو زبان و ادب کے فروغ میں خواتین کا کردار ہر دور میں اہم اور مسلم رہا ہے۔ چاہے وہ شعر و ادب کا دور رہا ہو یا نثر نگاری کا۔ اولین صاحب دیوان شاعرہ مہ لقا بائی سے میرا بائی تک اور اردو نثر کے میدان میں اے آر خاتون، عباسی بیگم سے عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر تک نے اپنی تصنیفات میں نسوانی جذبات کے گل بوٹے کھلائے اور آزادیٔ حقوقِ نسواں کی گونج تقریباً ان کی ہر کہانی اور ناول میں نمایاں رہی اور بقول مدیر محترم ہر شعبۂ حیات میں خواتین نے اپنی حیثیت منوائی ہے ان کی جدوجہد کے کارناموں کو مزید شہ دینے کے لیے آپ نے خواتین کی زندگی پر قلمکاروں کو اپنے مضامین کے ذریعہ ایک بڑے ادبی حلقے سے متعارف کرنے کی اپیل کی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ باہر کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اپنے کاندھوں پر لاد کر چلنے والی خواتین کے لیے نت نئی الجھنیں بھی بڑھی ہیں جن کے جاں گسل تذکروں کو مضامین کی شکل میں قلم بند کیا جا سکتا ہے۔ 'خواتین دنیا' کو بین الاقوامی سطح تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انھیں خواتین قلمکار کے سر جاتی ہے۔

مضمون 'حجاب امتیاز کا مختصر تعارف' میں جاں نثار معین نے حجاب امتیاز کو اردو فکشن نگار خواتین میں صفِ اول میں شامل کیا ہے جب کہ اسی دور میں حجاب کے علاوہ اے آر خاتون، نازلی، آمنہ خاتون اور عباسی بیگم کا بھی ناولوں کی دنیا میں کافی چرچا رہا ہے۔ میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ حجاب امتیاز جانشینی کے طور پر اپنی ماں عباسی بیگم کے فن ناول نگاری کا نکھرا ہوا روپ لے کر منصۂ شہود پر آ گئیں۔ ان کی حیثیت ناول نگاری اور مدیر 'تہذیب نسواں' سے بڑھ کر ایک ہندوستان کی پہلی (Pilot) کی حیثیت سے زیادہ شہرت کی حامل بنی۔ کم سنی ہی میں انھوں نے 'میری ناتمام محبت' کے عنوان سے ایک موثر افسانہ لکھا جسے 'نیرنگِ خیال' جیسے معتبر رسالے میں جگہ ملی پھر ان کی شہرت کا پیمانہ اس وقت ابھر کر سامنے آیا جب وہ مولانا ممتاز علی کے فرزندِ ارجمند امتیاز علی تاج کی شریکِ حیات بنیں جو ان کی ادبی مقبولیت میں سونے پہ سہاگہ ثابت ہوا۔ امتیاز علی تاج کا شہکار ڈرامہ 'انار کلی' بھی ان کے نام معنون ہوا مزید براں 1934 میں حیدر یلدرم کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی میں بحیثیت ادیب و ادیبہ میاں بیوی بن کر کافی مقبول ہوئے۔ حجاب کے شوہر امتیاز علی تاج کا تعلق ادبی دنیا کے ساتھ ساتھ فلمی اور موسیقی دنیا سے بھی رہا اور حجاب خود بھی موسیقی کی شوقین تھیں لیکن حجاب کا موازنہ عصمت چغتائی سے کسی صورت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کے لکھنے کا پلاٹ فارم جداگانہ تھا۔

علیم صبا نویدی، 26/34 امیر النساء بیگم اسٹریٹ، چنئی۔

خواتین دنیا کا دوسرا شمارہ نظر نواز ہوا، یقیناً یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ مگر صرف افواہیں گشت کر رہی ہیں کہ فروغ اردو کونسل کو مولانا ابو الکلام آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی یا پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تحت کر دیا جائے گا، اس وقت جو معیارات اردو دنیا، فکر و تحقیق، بچوں کی دنیا کے ہیں وہ مشکل سے ہی ہمیں ملیں گے۔ ماہنامہ خواتین دنیا یقیناً پھر سے بانو، باجی اور دیگر ڈائجسٹوں کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے نئے انداز میں سامنے آیا ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

عورت کا دل سمندر کی سطح کے مانند ہوتا ہے بظاہر خاموش لیکن گہرائیوں میں طوفان۔ عورت کی ترقی یا تنزلی پر ہی قوم کی ترقی یا تنزلی کا انحصار ہے۔ عورت آدمی سے بنائی گئی اور آدمی مٹی سے۔ مرد ساری عمر

عورتوں میں گھرا رہتا ہے مگر عورت کبھی ماں، کبھی بیوی، کبھی بہن اور کبھی بیٹی کے روپ میں اس کے ساتھ رہتی ہے۔ عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے، کانٹوں سے بھری شام کو ایک پھول خوبصورت بنا دیتا ہے اور غریب سے غریب گھر کو عورت جنت بنا دیتی ہے۔

خواتین دنیا کی اشاعت اس بات کا اعلان ہے کہ اس کے ذریعے عورتوں کے اپنے خیالات محسوسات اور جذبات کو پیش کرکے وہ یہ بتادے گی کہ عورت سے ہی سب کچھ ہے۔

مدیر پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم) نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔

''نسائی ادب کی ضرورت ہے اس نسائی ادب کی جس میں پیار و محبت، اخلاص و قربانی، درد و کرب، نشاط و خود فراموشی، جذبات و سرخوشی، سرور آگیں، کیف و کیف و سرور جو نیند سے بیدار کرے اور ذہن کو تمام طرح سے بیجا پابندیوں سے آزاد کرانے میں معاون ہو سکے۔''

جس طرح حکومت میں 33% تحفظات خواتین کے لیے ہے اسی طرح ان کو کم از کم ادب میں 33% تحفظات ملنی چاہیے، اور اس کی ایک کڑی خواتین دنیا ہے۔

دوسرا شمارہ گوناگوں خصوصیتوں کا حامل ہے، روبرو کے تحت ذکیہ مشہدی سے احمد صغیر کی بات چیت کافی اچھا انٹرویو ہے۔ شخصیت کے نئے آسمان کے عنوان سے سارہ حمید احمد پر نصرت جہاں کا مضمون، نکہت سخن کے عنوان سے شاعرات کے منتخب اشعار جس میں چند شاعرات کے اشعار ہیں۔ اس طرح قدیم خواتین شعراء کے اشعار بھی پیش کریں۔

جہاں نسواں کے تحت میڈم کیوری، سیاہ چادر کے پار (انجم فریدی) خدیجہ مستور کی فکری اساس (غزالہ فاطمہ) مشترکہ وراثت اور جمہوری زبان (رضوانہ) تعلیم نسواں کا نقیب حالی (سیما صغیر) قانون میں خواتین کے تحت تعزیرات ہند اور خواتین جنسی و دیگر جرائم کے تحت جہاں نسواں کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ چار کہانیاں، اللہ کے بندے (قمر قدیر ارم) ایک لفظ کہ کشتی (لالی چودھری) کسک و عشرت ناہید، دل کی گلیاں (روبینہ ساگر) کے ذریعہ نئے کہانی کاروں کو پڑھنے کا موقع ملا۔

حسن سخن کے تحت نسیم نیازی، صبیحہ سہیل، بلقیس ظفیر الحسن کہکشاں تبسم، پروین شیر اور سلمیٰ صنم کا کلام پڑھنے کو ملا جو خوبصورت ہی نہیں بلکہ جس نے عنوان کے اعتبار کو حسن عطا کر دیا ہے۔ باورچی خانہ میں گرمیوں سے راحت دینے والے مشروبات و حلوے آرائش و زیبائش کے تحت بالوں کی خوبصورتی، پھر تاثرات اور خواتین خبرنامے میں اردو دنیا کی طرح احاطہ کریں البتہ چند ایک مشورے یہ ہیں کہ یاد رفتگاں کے تحت مرحوم خواتین افسانہ نگار نثر نگار یا شاعرہ کا تعارف کے ساتھ مضمون پیش کریں اور ان کے مکمل ایک صفحہ کا فوٹو ہو تاکہ البم تیار کیا جا سکے شمالی ہند کے ساتھ جنوبی ہند کی خواتین کو بھی موقع دیں بلکہ ان سے ان کی تخلیقات طلب کریں۔ یقیناً قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا یہ رسالہ سرکاری ہی نہیں بلکہ نجی خانگی رسالوں میں بھی عالمی معیار کا ہوگا۔ کم قیمت، عالمی معیار و دلکش و دیدہ زیب رسالہ کی اشاعت پر مبارک باد۔

ڈاکٹر م.ق. سلیم

صدر شعبہ اردو شاداں کالج، 19-2-469 بیرون فتح دروازہ، حیدرآباد

آدھی آبادی کے جذبات و احساسات کا ترجمان ماہنامہ خواتین دنیا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ میں مبارک باد پیش کرنا چاہتی ہوں مدیر پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم) صاحب کو کہ انہوں نے یہ رسالہ ایسے وقت میں شائع کیا ہے جب ہم خواتین کے سامنے بڑے مسائل موجود ہیں۔ ہم ان مسائل کے حل کی تلاش میں ہیں۔ ہمیں یقین ہے یہ رسالہ ہماری مدد کرے گا۔ اس نیک کام کے لیے بہت شکریہ

ڈاکٹر نسرین بیگم، صدر شعبہ اردو بیکنٹھی دیوی گرلس کالج، آگرہ

مکرمی! خواتین دنیا کا معیار ہر شمارے میں دو چند ہوتا جا رہا ہے۔ تازہ شمارے میں کچھ تازہ کار قلمکاروں کے فن سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ مسکان ناز نے بہت خوبصورتی سی ثانیہ مرزا کے پورے کھیل کے سفر پر شاندار تبصرہ کیا ہے۔ مختصر سے مضمون میں انھوں نے ثانیہ کے مزاج اور خواہشات سمیت ان کے ماضی کا بھی جائزہ لیا ہے اور مستقبل کے ارادوں کو بھی پیش کر دیا ہے۔ نئی شاعرات میں ہی شہناز کی غزل اچھی لگی بھی شاید ان کا کلام ابتدائی مراحل میں ہے۔ اگر انھوں نے کوشش جاری رکھی تو ان کا رنگ شاعری نئے اجالے پھیلا سکتا ہے۔

خواتین کے اداریے کو لاجواب ہوتے ہی ہیں اس کی تزئین کاری بھی لاجواب ہوتی ہے مضامین کا انتخاب اور مضامین کی زبان بہت ہی اعلیٰ و معیاری ہوتی ہیں۔ خواتین دنیا میں ڈھونڈ کر نئی قلمکاروں کو لایا جائے۔ اس کی تشہیر دیگر ذرائع ابلاغ سے بھی کرائی جائے تاکہ یہ رسالہ کم از کم ہندوستان کی آدھی آبادی تک آسانی سے پہنچ سکے۔

عنایت نسیم، کٹیہار، بہار

خواتین خبرنامہ

ہندوستان کی مانوشی چھلر کے سر پر سجا مس ورلڈ کا تاج

نئی دہلی (18 نومبر، 2017) ہریانہ کی مانوشی چھلر نے مس ورلڈ 2017 کا تاج جیت کر اس باوقار خطاب کو 17 سال بعد ایک بار پھر ہندوستان کے نام کیا ہے۔ مانوشی سے قبل 2000 میں پرینکا چوپڑا نے یہ خطاب جیتا تھا۔ میڈیکل کی طالبہ 20 سالہ مانوشی نے چین کے سانیا شہر میں منعقد ہونے والے اس مقابلے میں دنیا کے 108 ممالک کی خوبصورت لڑکیوں کو پچھاڑ کر یہ کامیابی حاصل کی۔ دہلی میں پیدا ہونے والی مانوشی کے ڈاکٹر والدین کے لئے یہ لمحہ ناقابل یقین تھا جب فاتح کے طور پر ان کے نام کا اعلان کیا گیا۔

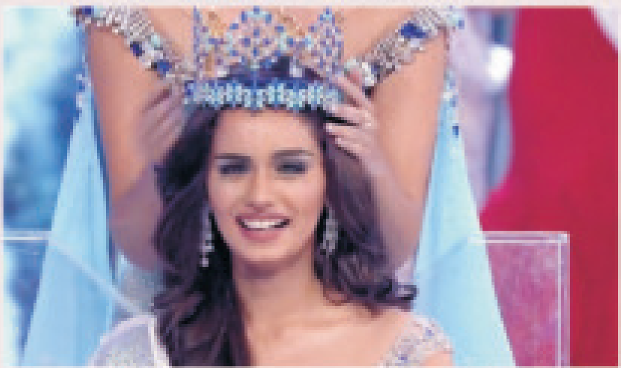

مانوشی کو گزشتہ سال کی مس ورلڈ پیورٹو ریکو کی اسٹیفنی ڈیل ویل نے حسینہ عالم کا تاج پہنایا۔ مس میکسیکو دوسرے مقام پر اور مس انگلینڈ تیسرے مقام پر رہیں۔ فائنل راؤنڈ میں مانوشی سے پوچھا گیا تھا کہ کس پیشے میں سب سے زیادہ تنخواہ ملنی چاہئے اور کیوں؟ اس کے جواب میں، انہوں نے کہا کہ ایک 'ماں' کو سب سے زیادہ تنخواہ ملنی چاہئے۔ مانوشی نے مزید کہا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ روپے میں ہی ہو، بلکہ یہ 'محبت' اور 'عزت' کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے ماں کو سب سے زیادہ عزت حاصل ملنی چاہئے۔ انہوں نے اپنی ماں کو اپنی سب سے بڑی تحریک بتایا۔

فکّی اور جیٹ ایئرویز نے وومنس انٹرپریزشپ ڈے منایا

نئی دہلی، 16 نومبر (رمیش جین) جیٹ ایئرویز گلوبر لنکر اور فکّی لیڈیز آرگنائزیشن نے آج دہلی میں وومنس انٹرپریزشپ ڈے (یوم کار آفرین خواتین) منایا۔ وومنس انٹرپریزشپ ڈے کی ہندوستانی سفیر اور گلوبل لنکر میں شریک بانی سی گمبھیر اور فکّی لیڈیز آرگنائزیشن کی قومی صدر واسوی

بھرت رام اس پہل کے ساتھ وابستہ ہوئے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں جیسے اندور، ناگپور، جے پور، آگرہ اور دہلی سے مختلف شعبوں سے 200 خواتین انٹرپریزشپ نے پروگرام میں حصہ لیا۔ اس موقع پر وومنس انٹرپریزشپ ڈے کی ہندوستانی سفیر اور گلوبل لنکر میں شریک بانی سی گمبھیر نے کہا کہ ڈبلیو ای ڈی ہندوستان میں خواتین انٹرپریز کو تعاون فراہم کرنے کی سمت میں کام کرتا ہے۔ فکّی اور ایف ایل او کے ساتھ اشتراک میں ہم خواتین کو کاروبار کے لیے تحریک دینا چاہتے ہیں۔ انھیں ہر ضروری تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کامیابی کا جشن منانا چاہتے ہیں۔ واسوی بھرت رام نے کہا کہ خواتین کسی بھی سماج کی ترقی میں ہمہ گیر رول نبھاتی ہیں۔ گزشتہ 34 برسوں سے ایف ایل او خواتین کی اہلیت کے مکمل استعمال کے ذریعہ ان کو بااختیار بنانے کی سمت میں کام کر رہا ہے۔ اس موقع پر کئی خواتین کار آفرینوں نے پینل مباحثہ میں حصہ لیا۔

کانسٹی ٹیوشن کلب میں MEP کی پریس کانفرنس

نئی دہلی (پریس ریلیز) سیاست کے بغیر حقوق نہیں مل سکتے ہیں، آج یوں تو ہر پارٹی اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے ایک خاکہ اور روڈ میپ رکھتی ہے لیکن کسی پارٹی میں خواتین کو ان کی تعداد اور صلاحیت و قابلیت کے مطابق حصہ داری نہیں ملی ہے، کوئی بھی ایسی پارٹی نہیں ہے جس نے اقتدار میں آنے کے بعد خواتین کو برابر حصہ داری دی ہو، یا پھر الیکشن میں خواتین سے کیے گئے وعدوں کو پورا کیا ہو، ہر پارٹی میں دکھانے کے لیے چند خواتین کو عہدے دے دیے جاتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا ہے۔ خواتین کے ساتھ انصاف کے لیے آل انڈیا مہیلا امپاورمنٹ پارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے تاکہ خواتین کے ساتھ ہونے والے مظالم اور ان پر ہونے والے استحصال کو ختم کیا جا سکے۔ اس پارٹی کی قیادت ڈاکٹر عالمہ نوہیرہ شیخ کر رہی ہیں جو ایک کامیاب بزنس وومن ہونے کے ساتھ ہی ایک ماہر تعلیم بھی ہیں۔ خاص طور سے انھوں نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مہم چلا رکھی ہے، ان کی سرپرستی میں آندھرا پردیش کے ضلع چتوڑ میں ایک شاندار تعلیمی ادارہ بھی چل رہا ہے۔ آل انڈیا مہیلا امپاورمنٹ پارٹی کے ذریعہ وہ سیاست کے میدان میں قدم رکھ رہی ہیں، پارٹی کا نام خواتین سے ضرور منسوب ہے لیکن یہ عام ناموں کی طرح ہے، ہر طبقہ اور عمر کے لوگ اس کے ممبر ہوں گے لیکن خواتین کے مسائل بنیادی طور پر اس پارٹی کے ایجنڈے میں رہیں گے۔ آل انڈیا مہیلا امپاورمنٹ پارٹی کی 16 نومبر کو 12 بجے کانسٹی ٹیوشن کلب کے ڈپٹی چیئر مین ہال میں ایک پریس کانفرنس ہوئی جس میں اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی۔

سردار پٹیل کی سالگرہ کے موقع پر دوڑ برائے قومی اتحاد کا انعقاد

علی گڑھ، 7 نومبر (صحافت بیورو) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی یوم پیدائش تحت ایس این ہال کے زیر اہتمام دوڑ برائے قومی اتحاد کا انعقاد کیا گیا جس میں ہال کی طالبات نے اپنے ہاتھوں میں قومی اتحاد اور سردار پٹیل کی مناسبت سے لکھے پلے کارڈس لے کر ہال سے ڈک پوائنٹ تک دوڑ میں حصہ لیا۔ ڈک پوائنٹ پہنچ کر ہال کی طالبات نے قومی اتحاد اور حب الوطنی کے نغمے بھی پیش کیے۔ اس موقع پر ہال کی پرووسٹ پروفیسر سیما حکیم نے کہا کہ قومی اتحاد ہی ہندوستان کی طاقت ہے اور کثرت میں وحدت اس ملک کی پہچان ہے۔ اس موقع پر پروگرام کی انچارج ڈاکٹر مہوش نجوم کے علاوہ دیگر وارڈنس ڈاکٹر سیمی عثمانی، ڈاکٹر شائستہ، ڈاکٹر صبا، ڈاکٹر شوبی اور ڈاکٹر صالحہ بھی موجود تھیں۔

دنیا کی پہلی حجاب پوش باربی گڑیا مارکیٹ میں متعارف

واشنگٹن، 15 نومبر (رائٹر) امریکی اولمپک فینسنگ کھلاڑی کے اعزاز میں ایک گڑیا متعارف کروائی گئی ہے جو کہ معروف گڑیا باربی کی سیریز میں پہلی حجاب پوش گڑیا ہے۔

یہ گڑیا امریکی فنسر ابتہاج محمد کی شکل کی بنائی گئی ہے جنھوں نے گذشتہ سال ریو میں کانسہ کا تمغہ جیتا تھا۔ وہ امریکی اولمپک کھلاڑی ہیں جنھوں نے حجاب پہنے کھیلوں میں شرکت کی۔ ابتہاج محمد کا کہنا ہے کہ گڑیا کا جاری ہونا ان کے بچپن کے خواب کی تعبیر ہے۔

یاد رہے کہ ماضی میں باربی کمپنی پر تنقید کی گئی ہے وہ اپنی گڑیاں بہت زیادہ پتلی اور حد سے زیادہ جنسی طور پر پُرکشش بناتے ہیں۔

باربی گڑیا بنانے والی کمپنی مائل کا کہنا ہے کہ وہ آئندہ سال میں چند ایسی خواتین کے عکس پر گڑیا ئیں بنائیں گے جو کہ انتہائی متاثر کن اور انسپریشنل ہیں۔

حجاب پوش پہلی باربی گڑیا کو گلیمر جریدے کے ویمن آف دی ایئر اجلاس میں پیش کیا گیا۔ ابتہاج محمد کا کہنا تھا کہ 'جب میں ایک مسلمان لڑکی کے طور پر فنسنگ کے کھیل میں اپنے سفر کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میرا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔' اور ان سب لوگوں کو جنھیں میرے اوپر اعتماد نہیں تھا یہ باربی آپ کے لیے ہے۔ 'ریاست نیوجرسی سے تعلق رکھنے والی کھلاڑی کا کہنا تھا کہ بچپن میں وہ اپنی باربی گڑیاؤں کو ٹشو پیپر کے حجاب پہناتی تھیں تاکہ وہ ان کی اور ان کی بہنوں کی طرح دکھائی دیں۔ ان کے اعزاز میں بنائی گئی باربی گڑیاں کے ساتھ مکمل فنسنگ کا لباس، تلوار، ماسک اور جوگرز فراہم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ حجاب بھی شامل ہے۔ ابتہاج محمد کا کہنا ہے کہ انھیں

امید ہے کہ اس گڑیا کی وجہ سے چھوٹی بچیاں اپنے ہر اس عنصر سے خوش رہیں گی جو انھیں منفرد بناتا ہے۔ 'آج مجھے فخر ہے کہ چھوٹی بچیاں جو حجاب پہنتی ہیں اور جو نہیں بھی پہنتی، تمام آج ایک ایسی گڑیاں کے ساتھ کھیل سکتی ہیں جو حجاب پہنتی ہیں۔ "یہ ایک ایسی باربی ہے جو اتنی طاقتور ہے کہ وہ ایک تلوار اٹھا سکتی ہے اور اتنی مستقل مزاج ہے کہ کئی سالوں کی محنت سے اولمپک مقابلوں تک پہنچ جائے۔'

اب سعودی خواتین کے لیے وزارت انصاف میں ملازمتیں

ریاض (ایجنسیاں) سعودی عرب کے وزیر انصاف وقانون الشیخ ولید بن محمد الصمعانی نے ملکی تاریخ میں پہلی بار وزارت انصاف میں خواتین کے لیے 14 اہم شعبوں میں ملازمت کے مواقع پیدا کرنے کی ہدایت کی ہے العربیہ ڈاٹ نیٹ کے مطابق وزیر انصاف کی ہدایت کے مطابق اتوار 8 ربیع الاول 1439ھ سے خواتین کی بھرتی کے احکامات پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

سعودی عرب کی تاریخ میں پہلی بار سرکاری سطح پر وزارت قانون و انصاف میں گریڈ 8 پر خواتین کے تقرر کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ خواتین کو 14 اہم شعبوں سوشل ریسرچ، شرعی تحقیق، لاء ریسرچ اور ایڈمنسٹریشن اسسٹنٹ کے عہدوں پر ملازمت کے حصول کی اجازت ہوگی۔ خواتین کا چاروں شعبوں میں سے اپنے متعلقہ شعبہ میں کم سے کم ماسٹر ڈگری تک تعلیم ضروری ہے۔ تقرری باقاعدہ مقابلہ کے امتحان کے بعد کی جائے گی۔ وزارت انصاف کی جانب سے خواتین کی بھرتی کے لیے 8 ربیع الاول 1439ھ کو ادارہ کی ویب سائٹ پر باقاعدہ اشتہار جاری کیا جائے گا۔ اس اشتہار کی روشنی میں 12 ربیع الاول تک ریاض، مکہ، جدہ، دمام اور مدینہ منورہ سے خواہش مند خواتین امیدواروں کی درخواستیں وصول کی جائیں گی۔ سعودی وزیر انصاف الصمعانی کا کہنا ہے کہ خواتین نے ملک میں مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ وزارت انصاف میں خواتین تقرری کا مقصد صنف نازک کے لیے اس میدان میں بھی خدمات انجام دینے اور وزارت انصاف کی ملازمتوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرنا ہے۔

ہر تمغے کے پیچھے جدوجہد کی ایک کہانی پنہاں: میری کوم

نئی دہلی، 9 نومبر (یو این آئی) ایشیائی چیمپین شپ میں اپنا پانچواں طلائی تمغہ حاصل کرنے والی ملک کی سرکردہ خاتون باکسر ایم سی میری کوم نے کہا ہے کہ ان کے ہر تمغے کے پیچھے جدوجہد کی ایک الگ کہانی پوشیدہ ہے۔ واضح رہے کہ پانچ مرتبہ کی عالمی چیمپین اور اولمپک میں کانسے کا تمغہ حاصل کرنے والی ایم سی میری کوم نے براعظمی مقابلوں میں اپنا پانچواں طلائی تمغہ جیت کر ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔ اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے ایم سی میری کوم نے کہا ہے کہ ہر میڈل کی ان کے لیے

الگ اہمیت ہے۔ کیونکہ ہر میڈل کے ساتھ ان کے جدوجہد کی ایک کہانی وابستہ ہے۔ ہر میڈل ایک الگ کہانی بیان کرتا ہے۔ انھیں امید ہے کہ یہ میڈل ان کی ساکھ اور مقبولیت میں اضافے کا سبب ہوں گے۔ واضح رہے کہ ایک سرگرم اور اعلیٰ معیاری باکسر کے علاوہ 35 سالہ ایم سی میری کوم راجیہ سبھا ممبر بھی ہیں جہاں ان کی حاضری پر کبھی کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا ہے۔ حالانکہ مصروفیت کے اعتبار سے ان کے ذمہ اپنی تربیت اور تین بچوں کی پرورش بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ امپھال میں ایک اکیڈمی چلاتی ہیں۔ اس بارے میں انھوں نے کہا کہ ایک ممبر پارلیمنٹ کی حیثیت سے ہمیشہ سے پارلیمنٹ کے اجلاس میں مستقل شرکت کرتی ہیں۔ حالانکہ ان کی مصروفیات بے تحاشہ ہیں۔ جب کہ مقابلے میں ان کی بہترین کارکردگی کو دیکھتے ہوئے انٹرنیشنل باکسنگ ایسوی ایشن (اے آئی بی اے) نے انھیں میگنی فیسنٹ میری کا لقب دیا تھا۔ انھیں گزشتہ برس اے آئی بی اے لیجنڈ ایوارڈ سے سرفراز کیا تھا۔ 2014 میں انھوں نے ایشین گیمز میں طلائی تمغہ حاصل کیا تھا۔

کراس کنٹری میں الہ آباد کا جلوہ

کراس کنٹری آٹھ کلو میٹر دوڑ میں 20 سال سے کم عمر زمرہ میں شیام امت کمار، سندیپ کمار بالترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے مقام پر رہے۔ لڑکیوں کے زمرہ میں امرتا پٹیل اول، انجلی پٹیل دوم اور راجکماری تیسری مقام پر رہیں۔ چار کلو میٹر دوڑ میں 15 سال سے کم زمرہ کے بچے زمرہ میں آشیش کمار پہلے، درگیش کمار دوسرے اور نیرج تیسرے مقام پر رہے۔ لڑکیوں کے زمرہ میں پوجا پٹیل اول، شیوانی چورسیا دوم اور نندنی ورما تیسرے مقام پر رہیں۔ آٹھ کلو میٹر میں 45 سال سے زیادہ عمر کے زمرہ میں گلزاری لال پہلے، نول کشور یادو دوسرے اور بھرت پرساد تیسرے مقام پر رہے۔ خواتین زمرہ میں ششی ورما اول، سیما سنگھ دوم اور منجو سنگھ تیسرے مقام پر رہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

مغرب میں تنقید کی روایت

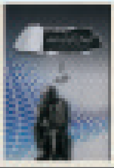

مصنف: عتیق اللہ
صفحات: 568
قیمت: 245 روپے

بہار کی بہار (جلد دوم)

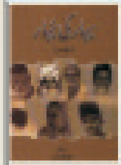

مصنف: اعجاز علی ارشد
صفحات: 242
قیمت: 150 روپے

بہار گلشن کشمیر (جلد اول و دوم)

مرتب و مولف: پنڈت برج کشن کول
و پنڈت جگت موہن ناتھ رینہ
صفحات: 454، 537
قیمت: 275، 300 روپے

دیوندر ستیارتھی

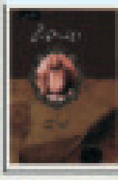

مصنف: عبدالسمیع
صفحات: 162
قیمت: 90 روپے

رشید حسن خاں

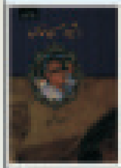

مصنف: عبدالحمید
صفحات: 122
قیمت: 74 روپے

سید امتیاز علی تاج

مصنف: محمد شاہد حسین
صفحات: 136
قیمت: 80 روپے

علی سردار جعفری

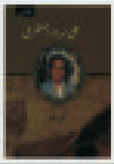

مصنف: عمر رضا
صفحات: 165
قیمت: 90 روپے

یاس یگانہ چنگیزی

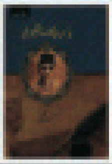

مصنف: حسن مثنیٰ
صفحات: 149
قیمت: 90 روپے

کلیات مضامین وحید اختر (جلد ششم)

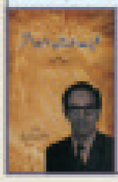

مرتب: ڈاکٹر سرور الہدیٰ
صفحات: 216
قیمت: -/115 روپے

آئینۂ جہاں: کلیات قرۃ العین حیدر (جلد ہشتم، رپورتاژ)

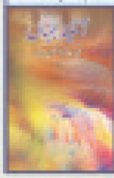

تحقیق و ترتیب: جمیل اختر
صفحات: 407
قیمت: 182 روپے

آئینۂ جہاں: کلیات قرۃ العین حیدر (جلد ہفتم، مضامین)

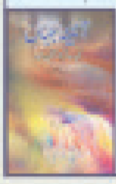

تحقیق و ترتیب: جمیل اختر
صفحات: 359
قیمت: 165 روپے

عظیم سائنسداں (مع ترمیم و اضافہ)

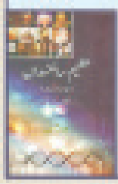

مصنف: احرار حسین
صفحات: 121
قیمت: -/32 روپے

اسرار کشف صوفیہ (1068ھ مطابق 1658)

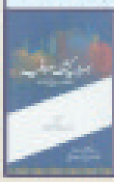

مصنف: سید محمد کمال سنبھلی واسطی
تدوین و تصحیح متن و ترجمہ
و حواشی: ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی
صفحات: 803، قیمت: -/335 روپے

انتخاب سخن (جلد اول) سلسلۂ شاہ حاتم

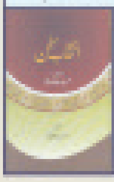

مرتب: حسرت موہانی
صفحات: 388
قیمت: -/175 روپے

دستور ہند کا معمار ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر

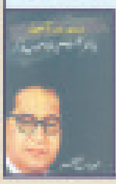

مصنف: خواجہ عبدالمنتقم
صفحات: 155
قیمت: 70 روپے

داستان گو آیا ہے

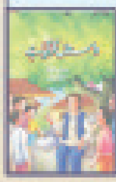

مصنف: رتن سنگھ، مصور: فجر الدین
صفحات: 16
قیمت: 25 روپے

ہماری نظم

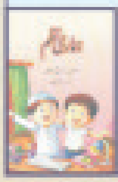

مصنف: فراغ روہوی
مصور: فجر الدین
صفحات: 20، قیمت: 30 روپے

دوسرا آدمی

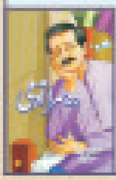

مصنف: قاسم خورشید
مصور: فجر الدین
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Mahnama Khawateen Duniya Monthly December 2017, Vol. 01, Issue: 3 RNI. REF. No. 1310440
National Council for Promotion of Urdu Language Title Code-DELURD 03206
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل

بچوں کے لیے اردو کی تاریخ کا سب سے خوب صورت، خوب سیرت شاندار رسالہ

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ **بچوں کی دنیا** دہلی

Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

پیاری پیاری نظمیں
قسط وار ناول
عجیب و غریب خبریں

دل چسپ کہانیاں
معلوماتی مضامین
ہنسنے ہنسانے کی باتیں

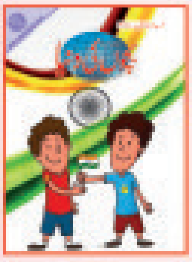
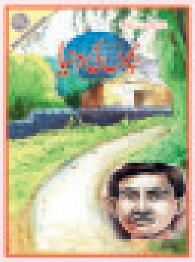

ان کے علاوہ:

کہکشاں ♦ سیاحتی مقامات

اردو ایس ایم ایس ♦ اردو فیس بک ♦ دماغی ورزش

ننھے فنکار ♦ ڈاک خانہ جیسے مستقل کالم

اور بہت کچھ

ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ چھپنے والا اردو رسالہ

قیمت فی شمارہ: 10 روپے سالانہ: 100 روپے

سالانہ خریداری اور ایجنسی کے لیے رابطہ فرمائیں

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

شاخ: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S.Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi-110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 Institutional Area Jasola New Delhi-110025